www.faiz-e-nisbat.weebly.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا یُخۡرِجُہُمۡ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوۡرِ

اللہ مددگار ہے مومنوں کا کہ ان کو گمراہی کے اندھیروں سے ہدایت کی روشنی کی طرف نکال لاتا ہے

ایمان افروز اور شرک سوز مقالہ
موسومہ بہ

حضرت پیرانِ پیرؒ کی شخصیّت سیرت اور تعلیمات

از رشحاتِ قلم

علاّمہ پیر سیّد نصیر الدّین نصیر گیلانی

سجادہ نشین آستانہ عالیہ غوثیہ مہریہ گولڑہ شریف

www.faiz-e-nisbat.weebly.com

حضرت پیرانِ پیرؒ کی شخصیّت

سیرت اور تعلیمات

آج تک تصوّف کے بارے میں بہت کچھ لکھا گیا ہے، موافقین نے اِسے جزوِ ایمان اور مخالفین نے اِسے خلافِ سُنّت وقرآن قرار دیا۔ تبع تابعین کے دَور کے کچھ عرصہ بعد جب لفظِ صوفی معرضِ وجود میں آیا تو رفتہ رفتہ ذکر واذکار کے لیے (زوایا) خانقاہیں سامنے آئیں۔ ہر علم کی طرح اِس علم نے بھی خاصی ترقی حاصل کی، ذکر وفکر سے حاصل ہونے والے احساسات اور وجدانیات کو الفاظ کے قالب میں ڈھالنا شروع کیا گیا۔ ہر قلبی کیفیّت کا ایک الگ نام رکھا گیا۔ اصطلاحات وضع کی گئیں۔ غوث، قطب، ابدال واوتاد کے الفاظ کو رواج دیا گیا، ذاتِ باری تعالیٰ کے اسماء وصفات پر اپنے اپنے انداز اور معلومات کے مطابق روشنی ڈالی گئی۔ واحد، احد، مطلق، مقیّد، تنزیہہ وتشبیہہ، مقامِ جمع الجمع اور ذاتِ بحت کے الفاظ کی تشریحات کی گئیں۔ شریعت کے ساتھ لفظِ طریقت کا اضافہ کیا گیا۔ اِس طرح رفتہ رفتہ ان میں سے ہر ایک سلسلہ تصوّف کا ایک الگ دبستان کہلایا۔ حضرت علی ہجویریؒ نے اپنی شہرۂ آفاق تصنیف کشف المحجوب میں تصوّف کے اِن قدیم دبستانوں پر سیر حاصل بحث فرمائی اور ان کا تعارف کرایا۔ ابنِ عربیؒ نے (جن کا نام محی الدّین اور لقب شیخ اکبر ہے) تصوّف کے اسرار ومعارف پر بہت سی کتابیں لکھیں۔ جن میں سے فصوص الحکم اور فتوحاتِ مکیّہ کو بڑی شہرت حاصل ہوئی۔

گویا تمام سلاسلِ طریقت کے ذی قدر مشائخ نے اپنے اپنے نظریات ومکشوفات کو مقالات ورسائل اور بعض نے مبسوط کتابوں کی صورت میں پیش کیا۔ چنانچہ حضرت مجدّد الف ثانیؒ کے مکتوبات اِس کی ناقابلِ تردید دلیل ہیں، جیسا کہ سابقاً ذکر کیا گیا کہ اہلِ تصوّف نے اپنی قلبی واردات ومحسوسات کو عوام تک پہنچانے کے لیے مختلف اصطلاحات وضع کیں۔ جن کو اب ایک مستقل علم کا نام دیا جاسکتا ہے۔ حضرت شیخ سرہندیؒ نے وجود وشہود کی ابحاثِ مُغلقہ پر روشنی ڈالی اور اس کے دوران عجیب وغریب انکشافات فرمائے، جس پر اُن کے بعض معاصرین نے انگشت تنقید بھی اُٹھائی۔ مختصر یہ کہ تصوّف کے تقریباً ہزار سال پر محیط ان اَدوار نے علم وعرفان اور دنیائے کشف ومشاہدہ کے بڑے بڑے تاجدار پیدا کیے۔ جن کے ذہنِ رسا نے تصوّف اور عرفانیات کے ہزارہا اسرار ورموز کو کتابی صورت میں مدوّن کیا۔ اگرچہ دنیائے تصوّف میں یہ کوئی معمولی بات نہ تھی، بلکہ اس دنیا سے لگاؤ رکھنے اور صوفیائے کرام کے رشحاتِ قلم پر جان چھڑکنے والوں کے لیے قرآن وحدیث کے

بعد یہ سب سے زیادہ معتبر، مؤثر اور وقیع سرمایہ تھا۔ مگر دوسری طرف علمِ شریعت کے بڑے بڑے گھاگ نظریں جمائے بیٹھے تھے کہ صوفیاء میں سے کس کس سے کہاں کہاں لغزش ہوئی۔ اور اُن کا کون کون سا کشف اور اُن کی کون کون سی عبارت، شعر یا قول خلافِ شریعت ہے۔ اس لیے بعض علمائے شریعت نے صوفیاء کے بعض اقوال اور عبارات کے تحت اُن پر کُفر کا فتویٰ بھی داغا۔ ہر دور میں مباحثے اور مناظرے ہوتے رہے اس طرح علمائے اُمّت کی اکثریت الگ ہوگئی اور صوفیاء کا گروہ الگ ہوگیا۔ اس اختلاف کا نتیجہ یہ نکلا کہ دلائل نیوش خواص نے اہلِ شریعت کا ساتھ دیا البتہ عقیدت کوش عوام نے صوفیاء سے تعلّق رکھا۔ یہی وہ منزل تھی جہاں آ کر شریعت اور طریقت دو الگ الگ چیزیں تصور کی جانے لگیں، حالانکہ بات ایسی نہیں تھی۔ غلو پسند مریدین کی جماعتیں اپنے اپنے مشائخ کے کشف وکرامات اور بلند مقامات بیان کرنے میں کھو کر رہ گئی تھیں اور قرآن وسنت کے پیغام کو بالائے طاق رکھ دیا تھا۔ بعض مشائخ اپنے مکشوفات اور مشاہدات میں اس قدر گم تھے کہ انہیں تائیدِ غیبی، نصرتِ الٰہی اور ہدایتِ آسمانی سمجھنے لگے تھے۔ اُن کی نگاہوں سے یہ حقیقت اوجھل ہوگئی تھی کہ وَاعلَمُوا اَنَّ فِیکُم رَسُولَ اللّٰہِ ’’جان لو کہ تم میں اللہ کے رسول موجود ہیں‘‘ کے ارشادِ ربانی کے مطابق رسُول ﷺ کا اُسوۂ حسنہ اور قرآنِ حکیم کے واضح احکامات ہمارے لیے مشعلِ راہ اور کافی ہیں۔

تصوّف کی تاریخ اور احوالِ مریدین ومشائخ سے باخبر قاری اچانک کیا دیکھتا

ہے کہ یکم رمضان المبارک 470ھ بوقتِ شب علاقہ گیلان میں واقع بُشتیر نامی گاؤں میں حسنی النسب سادات کے ہاں ایک بچہ پیدا ہوتا ہے، جس کا نام عبدالقادر رکھا گیا۔ اہلِ نظر نے اِسے غوث الاعظم، غوثِ پاک، پیرانِ پیر، پیرِ دستگیر، محبوبِ سبحانی، شاہِ جیلاں، غوثِ صمدانی، میراں محی الدّین، غوث الثقلین، گیارہویں والے، سرکارِ بغداد اور شہنشاہِ بغداد کے القاب سے یاد کیا۔ مستند روایات میں ہے کہ اُس رات علاقۂ گیلان میں گیارہ سو (1100) بچے پیدا ہوئے جو سب اللہ کے مقبول بندے بنے۔ گیلانی سادات کے گھر پیدا ہونے والے اِسی بچے کی ولادتِ باسعادت کے فیضان کا یہ پہلا چھینٹا تھا، پھر گیلان سے اُٹھنے والی علم وعرفان کی اِس گھٹا نے چار دانگ عالم کو اِس طرح سیراب کیا کہ تا قیامت اِس کے گُل بداماں گلشن خزاں نا آشنا رہیں گے۔ اس کی بشارتِ ولادت بے شمار مشائخِ وقت نے دی تھی ان مبشرین ولادت میں شیخ خلیل بلخیؒ، شیخ منصور بطائحیؒ، شیخ ابوعبداللہ مُسلمیؒ، شیخ ابوبکر حرازؒ، شیخ ابوبکر بن ہوار بطائحیؒ، سیّد الطائفہ جنید بغدادیؒ، شیخ عقیلؒ اور شیخ ابواحمد عبداللہؒ جیسے مشائخِ کبار شامل ہیں۔ طفولیت ہی میں اس کی تقدس مآب پیشانی سے آثار بزرگی وجلالت اور علاماتِ ورع واتقاء نمایاں اور انوارِ ولایت تاباں تھے جو اس امر کی بھرپور شہادت دے رہے تھے کہ یہ ہلال عنقریب اُفقِ ولایت پر بدرِ منیر بن کر اُبھرے گا۔

بالائے سرش ز ہوش مندی
می تافت ستارۂ بلندی

آپ کے گیلانی ہونے میں تو کسی کو اختلاف نہیں، البتہ اُس موضع وقصبہ میں قدرے اختلاف ہے، جہاں آپ متولد ہوئے۔ علامہ شطنوفیؒ نے اس کا نام نیف یا نائف لکھا ہے، جو بحیرۂ اسود کے جنوب میں واقع ہے مگر امام حمویؒ نے بشتیر تحریر کیا ہے، ہوسکتا ہے دونوں نام ایک ہی مقام کے ہوں۔ گیلان جسے دیلم بھی کہا جاتا ہے، ایران کے شمال مغربی صوبے کا حصہ ہے، اِس کے جنوب میں برز کا پہاڑ ہے، جو اس کو آذربائیجان اور عراقِ عجم سے جدا کرتا ہے، اس کے جنوب میں ماژندران کا شرقی حصہ ہے۔ گیلان کو معرّب کر کے جیلان بنا دیا گیا۔ ورنہ محلِ وقوع کے لحاظ سے دونوں ایک ہی مقام کے نام ہیں۔ بشتیر تہران کے شمال مغرب میں تقریباً چھ سو (600) کلومیٹر پر واقع ایک چھوٹا سا گاؤں ہے، جو صوبہ گیلان کے دو شہروں فنفت اور قومن کے مضافات میں ہے اور اس کا مرکزی شہر رَشت ہے۔ صاحب معجم البلدان کی تحقیق کے مطابق بھی حضرت شیخ سید عبدالقادرؒ اسی بشتیر گاؤں میں متولد ہوئے۔

بچے کے نانا سید عبداللہ صومعیؒ جیلان کے مشائخ کبار اور روٴسا میں سے ہونے کے ساتھ ساتھ مستجاب الدعوات مشہور تھے۔ والدِ گرامی کا نام سید ابوصالح موسیٰ اور والدۂ ماجدہ کا نامِ نامی فاطمہ، کنیت اُمُّ الخیر اور لقب اَمَۃُ الجبّار تھا۔ چونکہ بچپن ہی میں والدِ محترم کا سایہ سر سے اُٹھ گیا تھا اس لیے بچہ اپنے گرامی قدر نانا کے زیرِ کفالت وتربیت رہا۔ والدِ گرامی کی طرف سے آپ کا سلسلۂ نسب حضرت امام حسنؓ مجتبیٰ اور والدۂ محترمہ کی جانب سے حضرت امام حسینؓ سے ملتا ہے۔ اس طرح آپ نہ صرف سید بلکہ نجیب الطرفین سید ٹھہرتے ہیں۔ کسی عارف نے کیا خوب کہا ؎

ایں بارگہِ حضرتِ غوث الثقلین است
نقدِ کرمِ حیدرؓ و نسلِ حسنینؓ است
مادرش حسینی نسب است و پدر او
ز اولادِ حسنؓ یعنی کریم الابوین است

یہ بچہ جو حسنی وحسینی ہر دو نسبتوں کا سنگم تھا **مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ یَلْتَقِیٰنِ** کی تمثیل کا منہ بولتا ثبوت بن کر سامنے آیا۔ وہ بچے جو حسنی وحسینی بحرین کا نقطۂ اتصال قرار پاتے ہیں، بلاشبہ وہ ساحلِ ظہور پر **یَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ** کی آب وتاب لے کر چمکتے ہیں۔

چونکہ حدیثِ نبوی اَلرِّضَاعُ یُغَیِّرُ الطِّبَاعَ ''دودھ پینا طبیعت کو بدل دیتا ہے'' ایک اٹل حقیقت ہے یعنی دودھ پلانے والیوں کی اچھی اور بری عادات کا اثر بچوں کی طبیعت پر پڑتا ہے۔ اُس ماں کی سیرت اور کردار کی عفت کو لاکھوں سلام جس کی کوکھ سے عبدالقادرؒ جیسا بطلِ جلیل پیدا ہوا، مشاطۂ فطرت نے اس بچے کی سیرت ومزاج میں عالی نسب ہونے کی ایسی ایسی درخشندہ علامات اور کمالات وفضائل کے ایسے ایسے رنگ بھر دیے تھے کہ ایک دن جب اُس نے عروس البلاد بغداد میں اپنے رنگ دکھائے تو سارا شہر پکار اٹھا کہ ؎

رنگ والوں کے بھی رنگ اُڑ گئے تیرے آگے
ذاتِ بے رنگ نے وہ رنگ جمایا تیرا

بچے پر جب لڑکپن کا اختتامی دور شروع ہوا اور وہ سترہ اٹھارہ برس کی عمر کو پہنچا

تو اُس نے اپنے خالق و مالک کے حضور دُعا مانگی کہ اے جگ کے داتا اور سب کے پالن ہار! میری ماں بوڑھی ہے، یا مجھے اپنے دین کی خدمت کے لیے چن لے، یا مجھے اپنی ماں کی خدمت کے لیے منتخب فرمالے۔ جب یہ آواز ماں کے کانوں تک پہنچی تو اُس نے کہا ”بیٹے عبدالقادر! جا میں تجھے اپنی خدمت کا حق معاف کرتی ہوں اور تجھے اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ کی خدمت کے لیے وقف کرتی ہوں“۔

اَب یہ لڑکا تعلیم و تربیت کی خاطر عازم بغداد ہو کر بختیر (ایران) سے جانے والے ایک قافلے کے ساتھ ہونے لگتا ہے تو اُس کی بوڑھی ماں اُسے رخصت کرنے دروازے تک آتی ہے، آنکھوں میں صدمہ فراق سے ایک دریائے اشک موجزن ہے دُور دراز کے سفر پر جانے والے اس بچے کا ماتھا چومتی ہے اور اپنی بھرّائی ہوئی آواز میں کہتی ہے کہ ”بیٹا عبدالقادرؒ! میرے بڑھاپے کے سہارے! اب چونکہ میرا آفتاب زیست لب بام ہے اس لیے اس کے بعد شاید میں تجھے نہ دیکھ سکوں۔ اب میری تیری ملاقات میدانِ حشر میں ہوگی۔ میرے بچے! جا، سب کا خالق و مالک تیرا حافظ و ناصر ہو میں نے تجھے اس کی امان میں دیا، مگر جاتے ہوئے اپنی ماں کی ایک نصیحت یاد رکھنا“۔ لڑکے نے حسرت بھری نگاہوں سے ایک مرتبہ پھر اپنی ماں کے نورانی چہرے پر نظر ڈالی اور وہیں رُک گیا، ماں نے کہا ”بیٹا! ہمیشہ سچ بولنا“ لڑکے نے سر جھکاتے ہوئے اشارے میں جواب دیا ”ماں! ان شاء اللہ تعمیل ہوگی“۔ ماں ڈیوڑھی پر کھڑی دیکھ رہی تھی کہ اُس کا لختِ جگر سفر پر روانہ ہوگیا۔ ترکہ پدری میں

80 دینار تھے، ماں نے 40 دینار عبدالقادر کو اور چالیس دینار اُس کے چھوٹے بھائی کو دے دیئے۔ قافلہ منزل بہ منزل چلتا رہا کہ اچانک ڈاکوؤں نے آگھیرا۔ قافلے میں ہر طرح کے لوگ تھے۔ دنیادار بھی اور دیندار بھی۔ جب رہزنوں نے اپنے مخصوص مرعوب کُن لہجے میں تمام افرادِ قافلہ سے کہا کہ ”جو کچھ کسی کے پاس ہے، نکال کر سامنے رکھ دے“ تو سب نے خوف زدہ انداز میں کہا کہ ”ہمارے پاس تو کچھ بھی نہیں“۔

یہ لڑکا حسنی وقار اور حُسینی تمکنت لیے ایک طرف خاموش کھڑا یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ جب ایک ڈاکو اس کے پاس آیا اور پوچھا کہ ”لڑکے! کیا تیرے پاس بھی کچھ ہے؟“ لڑکے نے تمکنت آگین و پُر وقار لہجے میں جواب دیا ”ہاں ہے“ پوچھا ”کیا ہے؟“ جواب دیا ”چالیس دینار“ ”کہاں ہیں؟“ اپنی کمر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ”یہ رہے“ لڑکے کی اس بے خوفی، بلا کی جرأت، حوصلہ مندی، ثابت قدمی اور راست گوئی سے ظالم ڈاکو کا دل لرز اُٹھا اور ایک مرتبہ ہیبت الٰہیہ نے اُس کے ناپاک ذہن کو جھنجوڑ کر رکھ دیا۔ بمشکل اپنے حواس پر قابو پا کر دوبارہ لڑکے سے مخاطب ہوا ”جب اس قافلے کے عمر رسیدہ مسافر دروغ گوئی سے کام لے رہے ہیں تو آخر تجھے کس چیز نے اس قدر راست گوئی پر آمادہ کیا“ لڑکے نے نہایت پُر وقار لہجے میں کہا کہ ”دمِ رخصت میری بوڑھی ماں نے مجھے ہمیشہ سچ بولنے کی تلقین کی تھی اور میں نے تعمیلِ حکم کا وعدہ کیا تھا، اس لیے اب وعدہ شکنی کا حوصلہ نہیں“۔ یہ سنتے ہی ڈاکو کی

دُنیائے دل میں ہل چل سی مچ گئی اور لڑکے کو اپنے کانپتے ہاتھوں میں تھامے اپنے سردار کے پاس لے گیا اُسے سارا ماجرا سنایا۔ جب سردار نے لڑکے کی زبان سے وہی جملہ سنا تو اُس کے سیاہ خانۂ دل کو اَلَم یأنِ لِلّذین آمنوا اَن تَخشَعَ قُلوبُہم لِذکرِ اللّٰہ کی ابدی تجلّیات نے اپنی لپیٹ میں لے لیا اور اُس نے تمام ساتھیوں سمیت لڑکے کے ہاتھ پر توبہ کر لی اور بزبانِ حال پکار اُٹھا ۔

کیا خبر تھی کہ سرِ راہ سنا کر دو بول
لُوٹ لیتے ہیں محمدؐ کے گھرانے والے

بہر حال یہ قافلہ کچھ دنوں بعد شہر بغداد میں وارد ہوا۔ یہ عباسی خلیفہ ابوالعباس مستظہر باللہ کا دور تھا۔ بغداد اُس وقت مدینۃ العلوم اور مرکزِ فنون تھا، اگرچہ امامِ غزالیؒ اُس وقت بقیدِ حیات تھے، مگر آپؒ نے سلسلۂ درس وتدریس ترک کر دیا تھا اور یادِ الٰہی میں مستغرق رہنے کے سبب درج ذیل شعر کا مصداق بن چکے تھے ۔

جی بھر گیا دنیا سے، اب دل کی یہ حسرت ہے
تُو ہو ، ترا جلوہ ہو اور گوشۂ تنہائی

لڑکے نے بغداد کے سب سے اعلیٰ مدرسہ میں داخلہ لیا اور پڑھنا شروع کر دیا۔ دُور دراز سے بغداد میں آئے ہوئے حفاظ، فقہاء، علماء، خطباء، مفسّرین ومحدّثین اور دوسرے علومِ متداولہ کے ماہرین نے بُشتیر سے آنے والے اس نو وارد طالب علم کے کشکولِ طلب کو علوم وفنون کے موتیوں سے پوری فیاضی کے ساتھ بھرنا شروع کیا،

چنانچہ مجموعی طور پر تقریباً 22 اساتذہ سے اس متعلّم نے کسبِ فیض کیا۔ اللہ تعالیٰ کا کرنا، کہ دیکھتے دیکھتے یہی لڑکا ایک دن بغداد کے جید علماء وشیوخ میں شمار ہونے لگا، اِسے بچپنے سے لڑکپن، لڑکپن سے جوانی اور جوانی سے شیخِ وقت بننے میں ایک وقت تو ضرور لگا، مگر قسمت نے اسے آخر پیر زادہ سے پیر اور پیر سے پیرانِ پیرؒ اور پیرِ دستگیرؒ بنا ڈالا۔ بقولِ راقم ۔

آسماں سے کوئی پوچھے، یہ تنگ تاب ہلال
کن مراحل سے گزرتا ہے قمر ہونے تک

اَب اہلِ بغداد نے اِن کو حضرت شیخ عبدالقادرؒ کے مؤدّبانہ انداز میں یاد کرنا شروع کر دیا، چنانچہ جب حضرت منبرِ وعظ پر جلوہ افروز ہوتے تو آپ کے مواعظِ حسنہ کی سماعت کے لیے ہزاروں تشنگانِ توحید ورسالت جمع ہو جاتے۔

400 کاتب جو وقت کے جید علماء ہوتے آپ کی زبانِ حق ترجمان سے نکلنے والا ایک ایک سُنہری فقرہ لکھتے جاتے۔ الفاظ کے دروبست اور جملوں کی اثر آفرینی سامعین کو مسحور کر دیتی۔ کئی بے ہوش ہو جاتے اور کئی واصل بحق۔ اُسوۂ حسنہ کے بیان کے ساتھ ساتھ درسِ توحید میں آپؒ کو کمال درجے کا ملکہ حاصل تھا۔ اللہ تعالیٰ کی کبریائی نے آپؒ کے قلبِ اطہر پر ایسا غیر معمولی اثر ڈال دیا تھا کہ آپؒ کی نظر میں ماسویٰ اللہ پرِ کاہ کی حیثیت بھی نہیں رکھتے تھے۔ ذاتِ باری تعالیٰ سے تعلق میں انہماک کا یہ عالم اور اپنے معبود ومسجود سے بندگی ونیاز مندی کی یہ حالت کہ عالمِ وجد وجذب میں جو لفظ

بھی کسی کے لیے نکل جاتا وہ پورا ہو کر رہتا۔ آپؒ کے اِسی مقام کے لیے راقم الحروف نے کہا تھا۔

جنبشِ لب سے ہے ابوابِ اجابت کی کشاد
رد نہیں کرتی مشیت بھی تقاضا تیرا

بلاشبہ مدرّسِ توحید ہونے کے حوالے سے آپؒ اولیائے اُمّت کے ایک بے نظیر مربّی اور بے مثال اُستاد ہیں، درسِ توحید کے دوران مقاماتِ انبیاء و مرسلین کا پاس رکھنا آپ ہی کا حصہ تھا۔ مختصر یہ کہ آپؒ نے اپنے دور کے اولیاء اللہ کے اس گروہِ عظیم میں توحید پر وہ خطبات دیئے، جن کے الفاظ اور جملوں میں دلِ انبیاء دھڑکتا محسوس ہوتا ہے۔ وہ لوگ جو آج پیرانِ پیرؒ سے محبت و عقیدت کے بلند بانگ دعوے کرتے ہیں۔ اُن کے سامنے درسِ توحید دیا جائے تو وہ اسے کسی دوسرے مسلک کا موضوع قرار دیتے ہوئے فوراً فتویٰ داغ دیتے ہیں۔ کیا وہ حضرتِ شیخؒ کے خطباتِ توحید پڑھ کر شیخؒ پر بھی کوئی اس قسم کا فتویٰ داغنے کی ناپاک جسارت کر سکتے ہیں؟ آخر وہ حضرتِ شیخؒ پر فتویٰ کیوں نہیں لگاتے۔ وہ صرف اس لیے کہ آپؒ کے نام پر تو اُن کی جبینیں گرم ہوتی ہیں اور معاشرے میں اِسی نام سے اُن کی عزت و توقیر قائم ہے، اپنی اپنی دکانیں چمکائے بیٹھے ہیں اور ”نسبتِ غوثیہ“ کے حوالے سے گیارہویں شریف کے نام پر خطیر نذرانے بٹورتے ہیں۔

یہ تو صریح خود غرضی ہوئی، حق گوئی اور حق پسندی تو نہ ہوئی۔ کیا آج کے

مریدینِ غوثیہ کے وہی عقائد ہیں جو اُن کے شیخ حضرت پیرانِ پیرؒ کے تھے؟ پیرانِ پیرؒ کے توحید کے بارے میں عقائد آپ کی مطبوعہ کتابوں میں اُردو ترجمہ کے ساتھ دستیاب ہیں۔ غیر اللہ سے استمداد و استغاثہ کے سلسلے میں مزید وضاحت کے لیے آپؒ کے خطبات اور تصانیف دیکھنے کے قابل ہیں۔ اگر آپؒ کے نزدیک یہ سب کچھ جائز ہے تو ہم سب کے لیے بھی ضروری ہے کہ ہم انہیں جائز سمجھیں اور اگر نہیں تو اجتناب کریں۔ مَیں بحمد اللہ حنفی المسلک اور سُنّی ہوں میرا کسی دوسرے مسلک سے دُور کا واسطہ بھی نہیں مگر مَیں بات یہ کر رہا ہوں کہ جب ہم پیرانِ پیرؒ کو پرستش کی حد تک ماننے کا دعویٰ رکھتے ہیں تو پھر ہم پر یہ فرض بھی عائد ہوتا ہے کہ ہم اپنے عقائد کو حضرتِ شیخؒ کی تصانیف و خطبات اور عبارات کی روشنی میں پرکھیں۔ تب تو ہم اُن کے سچے مُرید ٹھہرتے ہیں۔ ورنہ یہ سب کچھ کھوکھلے دعوے اور جھوٹی عقیدتیں ہیں۔ جن کی آڑ میں ہم محض خلقِ خدا کو لوٹ رہے ہیں اور شیخؒ کو بھی دھوکہ دینے کی کوشش کر رہے ہیں۔

آپ نے علومِ اسلامیہ کی تکمیل کے بعد درس و تدریس کے ساتھ ساتھ وعظ کا سلسلہ بھی شروع کیا۔ آپ کئی کتابوں کے مصنف بھی ہیں۔ اُردو دائرۂ معارفِ اسلامیہ نے آپ کی تصانیف کی تفصیل اس طرح دی ہے:

1. غنیۃ الطالبین
2. الفتح الربانی والفیض الرحمانی
3. فتوح الغیب
4. بشائر الخیرات
5. تحفۃ المتقین وسبیل العارفین
6. حزب الرجاء والانتہاء

7. الفیوضات الرّبانیہ فی اوراد القادریہ
8. الرسالۃ الغوثیہ
9. الکبریت الاحمر فی الصلوٰۃ علی النّبی
10. مراتب الوجود
11. یواقیت الحکم
12. معراج لطیف المعانی
13. جلاء الخاطر فی الباطن والظاہر
14. سرّ الاسرار ومظہر الانوار فیما یحتاج الیہ الابرار
15. آداب السّلوک والتّوصل الی منازل ملک الملوک

اِن کتابوں میں اوّل الذکر غنیۃ الطّالبین کے بارے میں بعض حضرات نے لکھا ہے کہ اِس کا انتساب حضرت شیخؒ کی طرف تو درست ہے مگر اِس میں کچھ ایسی عبارات بھی شامل کردی گئی ہیں جو الحاقی ہونے کے سبب مشکوک ہیں لیکن فتوح الغیب آپ کے مواعظِ حسنہ کا ایسا شاہکار ہے، جسے ہر دَور کے اولیاء اللہ نے نہ صرف حرزِ جاں بنایا بلکہ اُس کی شروحات بھی لکھیں۔ فتوح الغیب کے مستند ہونے پر دیگر دلائلِ نقلیہ کو چھوڑ کر ایک یہی دلیل کافی ہے، جس کا ذِکر سند المحققین، عارف باللہ حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑویؒ نے اپنے ایک ملفوظ میں فرمایا، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ نے فتوح الغیب کی شرح لکھنے کا ارادہ کیا تو آپ کے دل میں ایک دہشت پیدا ہوگئی جس کی بنا پر قلم اٹھانے کی جرأت نہ رہی۔ تا آنکہ حضرت شاہ ابوالمعالی قادریؒ لاہوری کی خدمت میں اِس غرض سے پاپیادہ لاہور حاضر ہوئے تاکہ وہ برزخی طور پر حضرت پیرانِ پیرؒ سے اُن کو شرح لکھنے کی اجازت طلب

فرمادیں۔ چوں کہ حضرت ابوالمعالیؒ اپنے دور میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ سے عقیدت ومحبت اور آپ سے تعلّقِ برزخی میں یگانہ تھے۔ اُنہوں نے اجازت حاصل کر کے حضرت محدّثِ دہلویؒ کو اِس اجازت کی اطلاع سے مشرّف فرمایا۔ (ملاحظہ ہو، ملفوظاتِ مہریہ، ملفوظ 142، ص 105)

پیر سیّد مہر علی شاہ گولڑوی، شاہ ابوالمعالیؒ اور شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ کی تحقیق کے مطابق فتوح الغیب حضرت پیرانِ پیرؒ کے خطبات ہی کا مجموعہ ہے اور اس میں کوئی الحاقی عبارت نہیں۔ لہٰذا حضرت پیرانِ پیرؒ سے نسبتِ غلامی کا دعویٰ رکھنے والوں پر لازم ہے کہ وہ حضرت پیر مہر علی شاہؒ جیسے محقّق کی تصدیق پر یقین کرتے ہوئے فتوح الغیب میں بیان کردہ توحید سے متعلق عقائد پر نہ صرف ایمان لائیں، بلکہ اُنہیں خلقِ خدا تک بھی پہنچائیں۔ بالخصوص وہ خطیب حضرات جو اعراسِ بزرگانِ دین کے مواقع پر اُن کی کرامات کے ذکر ہی کو خدمتِ دین سمجھتے ہیں اور سجّادہ نشین حضرات کو خوش کرنے اور اُن سے صلہ کے حصول کی خاطر زمین وآسمان کے قلابے ملانے میں گلے پھاڑ پھاڑ کر بولتے ہیں اور صرف ”گیارہویں شریف“ کی برکات اور گیارہویں کی نذر پیش کرنے پر زور دیتے نہیں تھکتے، اُن کو گیارہویں والے اِس پیر کی اُن تعلیمات کو بھی عام کرنا چاہیئے جو انہوں نے چالیس سال منبر پر بیٹھ کر وعظ کی صورت میں اللہ تعالیٰ کی مخلوق تک پہنچایا۔ مختصر یہ کہ حضرت پیرانِ پیرؒ نے اپنے مواعظ میں ہر طبقہ کو جھنجھوڑا، چاہے وہ علماء ہوں یا مشائخ یا دنیادار یا حکّامِ وقت ہوں۔ میرے نزدیک

حضرت پیرانِ پیرؒ کے نظریات قرآن و سنّت کی تعلیمات کے عین مطابق ہیں۔ آپ کے مواعظ میں ایسا مصلحانہ مواد ہے کہ شرک و بدعت کے دام میں گرفتار انسان اُس کے مطالعہ کی بدولت ایک صحیح الاعتقاد مسلمان بن سکتا ہے اگر اتنی وضاحت کے باوجود بھی آپ کے مواعظ کے سلسلے میں کسی کو اگر شک ہے تو پھر وہ جان لے کہ اُس کا حضرت پیرانِ پیرؒ سے کوئی تعلق نہیں۔ وہ پیرانِ پیرؒ کو تو مانتا ہے مگر پیرانِ پیرؒ کی نہیں مانتا۔ حالانکہ پیرانِ پیرؒ نے بالکل وہی درس دیا اور عقائد کے متعلق وہی معیار اپنایا جو ہمارے آقا و مولیٰ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنایا تھا۔

ذیل میں ہم پیرانِ پیرؒ کے تاریخ ساز خطبات و مواعظ کے اقتباسات درج کر رہے ہیں۔ حضرت پیرانِ پیرؒ نے اپنے مخصوص توحیدی لہجہ میں خطبات و مواعظ کا سلسلہ شروع کیا کہ اہلِ شرک و نفاق کے دل ہلا کر رکھ دیے۔ جن لوگوں نے محض جہالت اور بے خبری کی وجہ سے مختلف انسانوں اور نیک ہستیوں کو نفع و ضرر کا مالک سمجھنا شروع کر دیا تھا اور قضاء و قدر جیسے اہم اور مخصوص باللہ مسائل و معاملات کو بھی مخلوق سے وابستہ اور منسوب کر دیا تھا، انہیں شیخؒ کے خطباتِ حق آشکار نے جھنجھوڑ کر رکھ دیا چنانچہ آپ ایک مقام پر یوں لب کشا ہوتے ہیں:

فاذا وصلت الى الحق عزوجل ـــــ واجعل الخليفة أجمع كمر جلٍ كتفهٔ سلطان "عظيم" ملكهٔ شديد أمرهٔ مهولة صولته وسطوتهٔ ثم جعل الغلّ في رقبته مع رجليه ثم صلبهٔ علىٰ شجرة الا ذرة علىٰ شاطئی نهرٍ

عظيم موجهٔ فسيح عرضهٔ عميق غورهٔ شديد جريه الخ (فتوح الغیب مقالہ نمبر 17 صفحہ 40 مطبوعہ مصر) ترجمہ: جب تُو بایں طریق اللہ تک رسائی حاصل کر لے تو پھر تمام ماسویٰ اللہ سے ہمیشہ کے لئے مستغنی ہو جا اور کارخانہ وجود میں سوائے وجودِ واجب وازلی کے کسی کی طرف مت دیکھ۔ نہ تو نفع و نقصان کے معاملے میں نہ عطاء و منع کے حوالے سے اور نہ خوف و رجاء کے سلسلے میں، بلکہ یہ سب معاملے اُسی ذات کی بارگاہ سے متعلق سمجھ کہ بخشش و پارسائی اُسی حق سبحانہٗ کی عطاء سے ہے۔ ہمیشہ اپنی نظر اُسی فاعلِ حقیقی کے افعالِ غیر معللہ بالاغراض پر رکھ اور اُسی کی جانب متوجہ رہتے ہوئے اُسی کی اطاعت میں کمربستہ رہ، تمام خلق سے اپنے دل کو پھیر لے اور کل مخلوق کو اسی طرح سمجھ کہ ایک ایسے بادشاہ نے جس کا مُلک بہت بڑا، حکم سخت اور رعب داب دل ہلا دینے والا ہے۔ ایک شخص کو گرفتار کر کے اُس کے گلے میں طوق اور پیروں میں کڑے ڈال کر ایک صنوبر کے درخت سے ایک نہر کے کنارے جس کی موجیں زبردست، پاٹ بہت بڑا ہے، بہت گہری اور بہاؤ بہت زوروں پر ہے، لٹکا دیا ہے اور خود ایک نفیس و بلند کرسی پر کہ جس تک پہنچنا مشکل ہے تشریف فرما ہے اور اِس کے پہلو میں تیر و پیکان، نیزہ و کمان اور ہر طرح کے اسلحہ کا انبار ہے، جن کی مقدار خود بادشاہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔ اب اِن میں سے جو چیز چاہتا ہے اُٹھا کر اِس لٹکے ہوئے قیدی پر چلاتا ہے۔ تو کیا (یہ تماشہ) دیکھنے والے کے لیے بہتر ہوگا کہ وہ سلطان کی طرف سے نظریں ہٹا لے اور اُس سے خوف و اُمید ترک کر دے اور لٹکے ہوئے قیدی سے اُمید و بیم وابستہ کر لے

؟ کیا جو شخص ایسا کرے اہلِ عقل کے نزدیک، بے عقل، بے ادراک، دیوانہ، چوپایہ اور انسانیت سے خارج نہیں ہوگا؟ ''خدا کی پناہ، بینائی کے بعد اندھے پن اور وصول کے بعد جدائی اور قرب وترقی کے بعد تنزل اور ہدایت کے بعد گمراہی اور ایمان کے بعد کفر سے''

درسِ آراستگیٔ اخلاق: ایک مجلس میں آراستگیٔ اخلاق کا درس نہایت موثر اور دل نشین پیرایہ میں دیتے ہوئے عقیدۂ توحید پر کار بند رہنے اور اپنے قلوب واذہان کو ماسوی اللہ سے کلّیۃً منقطع کر لینے کا سبق یوں ارشاد فرماتے ہیں ''ماالكثر مايقول المؤمن قرب فلان وبعدت و اعطى فلان و حرمت واغنى فلان وافقرت و عوفى فلان وأسقمت وعظم فلان وحقرت وحمد فلان و ذممت وصدق فلان وكذبت أما يعلم انه الواحد وان الواحد يحب الوحدانيّة فى المحبّة ....انظر الى من ينظر اليك واقبل على من أقبل اليك وأحبّ من يّحبك واستجب من يدعوك وأعط يدك من يثبتك من سقطك ويخرجك من ظلمت جهلك الخ (مقالہ نمبر66،فتوح الغیب صفحہ136 مطبوعہ مصر)

ترجمہ: ایک ایسی بات جو اکثر اہلِ ایمان بھی کہتے سُنے گئے کہ فلاں ہمارے قریب ہو گیا اور فلاں بعید، فلاں شخص نے ہمیں کچھ عطا کر دیا اور فلاں نے محروم، فلاں نے ہمیں غنی کر دیا اور فلاں نے محتاج، فلاں نے مجھے عافیت دی اور فلاں نے بیماری، فلاں نے عظمت دی اور فلاں نے حقارت، فلاں نے تعریف کی اور فلاں

نے گلہ، فلاں نے سچا کہا اور فلاں نے جھوٹا۔ کیا وہ (لوگ) اتنا بھی نہیں جانتے کہ وہ (اللہ تعالیٰ) ایک ہے اور ایک کے ساتھ ایک ہونے کو پسند کرتا ہے۔ محبت کے معاملے میں وہ سب سے غیرت مند ہے کہ محبت کے معاملے میں کوئی شراکت اور حصہ داری ہرگز پسند نہیں فرماتا...... تُو اُسی سے محبت کر، ہر چیز اُسی کی جانب سے اور ہر شے اُسی کی حکمت سے سمجھ، اپنے آپ کو نفس اور خلق سے جُدا کر لے۔ سب ماسوی اللہ سے ارادے توڑ ڈال۔ وہی اپنا دستِ کریم تیری طرف بڑھائے گا اور تجھے دنیا و آخرت میں آسودہ حال رکھے گا، تُو اُسی پر نظر رکھ، جو تجھ پر اپنی نظرِ کرم رکھتا ہے، اُسی کے سامنے رہ، جو ہمہ وقت تیرے سامنے ہے، اُسی سے محبت کر جو تجھ سے محبت کرتا ہے اُسی کے فرمان پر لبیک کہہ، جو تجھے بلاتا ہے، اپنا ہاتھ اُسی کو دے جو تجھے گرنے سے سنبھال لے گا اور تجھ کو جہالت کی تاریکیوں سے نکال دے گا، ہلاکتوں سے بچائے گا، نجاستیں دھو کر میل کچیل سے پاک کر دے گا، تم کو تمہارے مُردار پن، بدبو، پست ہمتی، نفسِ بدکار، رفیقانِ گمراہ اور گمراہ کنندگان سے نجات دے گا، جو شیاطین خواہشات اور تمہارے جاہل دوست ہیں، خدا کی راہ کے راہزن اور تم کو ہر نفیس، ہر عمدہ اور ہر پسندیدہ چیز سے محروم رکھنے والے ہیں، کب تک عادت؟ کب تک خلق، کب تک خواہش؟ کب تک رعونت؟ کب تک دنیا؟ کب تک آخرت؟ کب تک ماسوائے حق؟ کہاں چلے تم؟ (اُس خدا کو چھوڑ کر) جو ہر چیز کو پیدا کرنے والا اور بنانے والا ہے، اوّل ہے، آخر ہے، ظاہر ہے، باطن ہے، دلوں کی محبت، روحوں کا اطمینان،

گرانیوں سے سبکدوشی، بخشش واحسان، اِن سب کا رجوع اُسی کی طرف اور سب کا صدور اُسی کی طرف سے ہے''۔

ایک اور نورانی مجلسِ وعظ میں مضمونِ توحید کو مزید نکھار کر واشگاف الفاظ میں ڈنکے کی چوٹ پر یوں بیان فرماتے ہیں۔

نکھرا ہُوا مضمونِ توحید: ''ساری مخلوق عاجز ہے، نہ کوئی تجھ کو نفع پہنچا سکتا ہے نہ نقصان پس حق تعالیٰ مخلوق کے ہاتھوں اُن کا صدور کرا دیتا ہے اُسی کا فعل تیرے اندر اور سب مخلوق میں تصرّف فرماتا ہے، جو کچھ تیرے لیے مفید ہے یا مضر ہے اُس کے متعلق علمِ الٰہی کا قلم چل چکا ہے اب اُس کے خلاف نہیں ہو سکتا۔ جو موحّد اور نیکوکار ہیں وہ باقی مخلوق پر اللہ کی حجت ہیں۔ بعض ان میں سے ایسے ہیں جو ظاہر اور باطن دونوں اعتبار سے دنیا اور اُس کے تقاضوں سے منقطع ہیں۔ گو دولتمند ہیں، مگر حق تعالیٰ اُن کے باطنوں پر دنیا کا کوئی اثر نہیں دیکھتا۔ یہی قلوب ہیں جو صاف ہیں، جو شخص اِس پر قادر ہو، اُس کو مخلوق کی بادشاہت مل گئی، وہی بہادر پہلوان ہے، کیونکہ بہادر وہی ہے جس نے اپنے قلب کو ماسوی اللہ سے پاک بنایا اور قلب کے دروازہ پر توحید کی تلوار اور شریعت کی شمشیر لے کر ایسا کھڑا ہو گیا کہ مخلوقات میں سے کسی کو بھی اُس میں داخل نہیں ہونے دیتا اور اپنے قلب کو مقلّبُ القلوب سے وابستہ کرتا ہے۔ شریعت اس کے ظاہر کو تہذیب سکھاتی ہے اور توحید و معرفت باطن کو مہذب بناتی ہے''۔ (فیوضِ یزدانی ترجمہ الفتح الربانی مجلس نمبر 3 صفحہ 89)

حضرت شیخؒ اپنے مخصوص تحقیقی انداز میں معبودانِ باطلہ کی تشریح کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: ''آج تُو اعتماد کر رہا ہے اپنے نفس پر، مخلوق پر، اپنے دیناروں پر، اپنے درہموں پر، اپنی خرید و فروخت اور اپنے شہر کے حاکم پر، ہر چیز کہ جس پر تو اعتماد کرے وہ تیرا معبود ہے اور ہر شخص جس سے تو خوف کرے یا توقع رکھے وہ تیرا معبود ہے اور ہر وہ شخص جس پر نفع اور نقصان کے متعلق تیری نظر پڑے اور تو یوں سمجھے کہ حق تعالیٰ اِسی کے ہاتھوں سے ہی ان کا (نفع وضرر) جاری کرنے والا ہے، تو وہ تیرا معبود ہے''۔

ایک اور موقع پر اللہ تعالیٰ کی غیرت اور شرکاء سے نفرت اور انسان کی محبوب چیزوں کے سلب اور ضائع ہو جانے کی حکمت بیان فرماتے ہوئے غافل دلوں کو یوں ہلاتے اور سوئے ہوئے ضمیروں کو یوں جھنجھوڑتے ہیں۔

غیرتِ خداوندی کا تقاضا: ''تم اکثر کہتے ہو گے اور کہو گے کہ میں جس سے محبت کرتا ہوں اُس سے میری محبت رہنے نہیں پاتی اور رخنہ پڑ جاتا ہے، یا تو جدائی ہو جاتی ہے یا وہ مَر جاتا ہے یا رنجش ہو جاتی ہے اور اگر مال سے محبت کرتا ہوں تو وہ ضائع ہو جاتا ہے اور ہاتھ سے نکل جاتا ہے، تب تم سے کہا جائے گا کہ اے خدا کے محبوب! اے وہ کہ جس پر خُدا کی عنایت ہے، اے وہ کہ جو خُدا کا منظورِ نظر ہے، اے وہ جس کے لیے اور جس پر خُدا کی غیرت آتی ہے، کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ غیور ہے۔ اُس نے تم کو اپنے لیے پیدا کیا اور تم غیر کے ہو کر رہنا چاہتے ہو۔ کیا تم نے خُدا کا یہ ارشاد نہیں سُنا کہ ''وہ اُن لوگوں کو دوست رکھتا ہے اور وہ اُسے'' اور یہ ارشاد کہ ''مَیں نے

جن وانس کو صرف اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں''۔

کیا تم نے رسول ﷺ کا یہ ارشاد نہیں سنا کہ خدا جب کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو اُسے مبتلا کرتا ہے۔ پھر اگر وہ صبر کرتا ہے تو اُسے رکھ چھوڑتا ہے۔ عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ ﷺ رکھ چھوڑنے سے کیا مُراد ہے؟ فرمایا ''اُس کے مال و اولاد کو باقی نہیں رکھتا اور یہ معاملہ اس لیے ہے کہ جب مال و اولاد ہوں گے تو اُسے اِن کی محبت بھی رہے گی اور خدا سے جو محبت اُسے ہے متفرق اور ناقص اور تقسیم ہو کر حق اور غیر حق میں مشترک ہو جائے گی اور خُدا شریک کو قبول نہیں کرتا، وہ غیور ہے اور ہر چیز پر غالب و زبردست، تو وہ اپنے شریک کو ہلاک و معدوم کر دیتا ہے تاکہ وہ اپنے بندہ کے دل کو خالص کرے۔ خاص اپنے لیے بغیر شریک کے، اِس وقت اِس کا یہ ارشاد صادق آجاتا ہے کہ ''وہ اُن لوگوں کو دوست رکھتا ہے اور وہ لوگ اُسے'' یہاں تک کہ دِل جب (خدا کے اِن مصنوعی) شریکوں اور برابری کرنے والوں سے جو اہل وعیال دولت ولذّت اور خواہشیں ہیں نیز ولایت وریاست، کرامات وحالات، منازل ومقالات جنتیوں اور درجات اور قرب ونزدیکی کی طلب سے پاک وصاف ہو جاتا ہے، تو اِس میں کوئی ارادہ اور آرزو باقی نہیں رہتی اور وہ مثل سوراخ دار برتن کے ہو جاتا ہے، جس میں کوئی چیز نہیں ٹھہرتی۔ کیونکہ وہ خُدا کے فعل سے ٹوٹ جاتا ہے، جب اِس میں کوئی ارادہ پیدا ہوتا ہے، خُدا کا فعل اور اُس کی عزت اِس کو توڑ ڈالتی ہے تب اِس کے دل کے گرد عظمت وجبروت وہیبت کے پردے ڈال دیے جاتے ہیں اور

اِس کے گرداگرد کبریائی اور سطوت کی خندقیں کھود دی جاتی ہیں کہ دل میں کسی چیز کا ارادہ گھسنے نہیں پاتا۔ اِس وقت دل کو اسباب یعنی مال اور اہل وعیال واصحاب اور کرامات وحکم وبیانات کچھ مضر نہیں، کیونکہ یہ سب دل سے باہر رہتے ہیں۔ تب اللہ تعالیٰ ان سے غیرت نہیں کرتا، بلکہ یہ سب چیزیں خدا کی طرف سے بندہ کے لیے بطور لطف وکرامت ورزق ونعمت کے ہوتی ہیں اور جو لوگ اس کے پاس آتے ہیں انہیں نفع پہنچانے کے لیے''۔ (رموز الغیب مقالہ 32 صفحہ نمبر 86-84)

حضرت شیخ حکامِ وقت، خلفاء اور امراء پر بے لاگ تنقید کرنے کے علاوہ اُن درباری اور سرکاری علماء ومشائخ کی بھی پُرزور مذمت، تردید اور پردہ دری فرماتے تھے، جنہوں نے سلاطینِ بے عمل اور ناخدا ترس حکّام کی مصاحبت اختیار کر رکھی تھی اور اُن کی ہاں میں ہاں ملانا اُن کا شعار بن چکا تھا جن کی وجہ سے اِن سلاطین وحکّام کو دین کے معاملے میں زیادہ بے خوفی اور جرأتِ بے جا پیدا ہو گئی تھی۔ ایک موقع پر اِسی خوشامدی گروپ کو خطاب کرتے اور جھنجھوڑتے ہوئے فرماتے ہیں۔

خوشامدی و درباری علماء ومشائخ سے خطاب: ''اے علم وعمل میں خیانت کرنے والو تم کو اُن سے کیا نسبت، اے اللہ اور اُس کے رسولؐ کے دشمنو! اے بندگانِ خدا کے ڈاکوؤ! تم کھلے ظلم اور نفاق میں مبتلا ہو۔ یہ نفاق کب تک رہے گا؟ اے عالمو! اور اے زاہدو! شاہان وسلاطین کے لیے کب تک منافق بنے رہو گے کہ ان سے دُنیا کا زر و مال اور اُس کی شہوات ولذّات لیتے رہو، تم اور اکثر بادشاہ اِس زمانہ میں اللہ تعالیٰ کے مال

اور اُس کے بندوں کے متعلق ظالم اور خائن بنے ہوئے ہیں۔ بارالہا! اِن منافقوں کی شوکت توڑ دے اور اُن کو ذلیل فرما، یا اُن کو توبہ کی توفیق دے اور ظالموں کا قلع قمع فرما اور زمین کو اُن سے پاک کر دے یا اِن کی اصلاح فرما"۔ (فیوضِ یزدانی مجلس 51، صفحہ 363)

اِسی طرح ایک دوسرے موقع پر ایسے ہی کسی خوشامدی، ضمیر فروش اور کتمانِ حق کرنے والے نام نہاد مفتی اور مدعیِ علم، خطیب کو اپنی تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے یوں مخاطب ہوتے ہیں۔

کتمانِ حق کرنے والے مُفتی پہ تنقید: "تجھے شرم نہیں آتی کہ تیری حرص نے تجھ کو ظالموں کی خدمتگاری اور حرام خوری پر آمادہ کر رکھا ہے تو کب تک حرام کھاتا اور دنیا کے اِن (ظالم) بادشاہوں کا خدمتگار بنا رہے گا، جن کی خدمت میں لگا ہوا ہے، اُن کی بادشاہت عنقریب مٹ جائے گی اور تجھے حق تعالٰی کی خدمت میں آنا پڑے گا جس کی ذات کو کبھی زوال نہیں۔ (ملاحظہ ہو فیوضِ یزدانی مجلس 52، صفحہ 371)

اگرچہ آپؒ کے سامنے اکابرِ تصوّف کی جملہ وقیع نگارشات کتابوں کی شکل میں موجود تھیں مگر آپؒ نے دوسرے صوفیاء کی طرح خلقِ خُدا کو تصوّف کی اصطلاحات میں نہیں الجھایا بلکہ رسولوں کی طرح مُنزل من اللہ احکام کو اثر انگیز انداز میں دلوں تک پہنچانے کی کوشش کی اور اللہ کی شان کہ آپؒ نے اِس میں وہ کامیابیاں حاصل کیں جو صوفیائے سلف و خلف کے حصے میں نہ آسکیں۔ حضرت پیرانِ پیرؒ کا وعظ اکثر توحید و رسالت کے موضوعات پر مشتمل ہوتا تھا، فتوح الغیب آپؒ کے مواعظِ حسنہ کا وہ مجموعہ ہے، جسے آپؒ کے خدّام کاتب دورانِ وعظ نوٹ کرتے رہتے تھے۔ اتباعِ شریعت آپ کا طُرّۂ امتیاز تھا، جس تصوّف کو صوفیاء نے اپنے ذاتی مشاہدات و انکشافات تک محدود کر رکھا تھا اور اُس کے لیے طرح طرح کی اصطلاحات وضع کر کے اُسے ایک باقاعدہ اور پیچیدہ علم بنا دیا تھا۔ حضرت پیرانِ پیرؒ اپنے مواعظ میں نہ تو اُن کو زیرِ بحث لائے اور نہ اُن کی طرف کوئی توجہ فرمائی، چنانچہ غنیۃ الطالبین، فتوح الغیب اور آپؒ کی دوسری تصانیف میں ہمیں کسی مقام پر بھی کسی ایسی اصطلاح یا کسی ایسے موضوع کا ذکر نہیں ملتا جس کا بلاواسطہ قرآن و سنّت سے تعلق نہ ہو۔ حضرتِ شیخؒ کی اِس بے مثال کامیابی کا راز اِسی میں مضمر تھا کہ آپؒ نے اپنے جدِّ امجد حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے اُسوۂ حسنہ کو مشعلِ راہ بنایا، آپؒ کی گفتگو اور تحریر تکلّف پن سے پاک ہے، جو کہا واضح الفاظ میں کہا جسے ہر معمولی علم رکھنے والا بھی سمجھ سکتا ہے۔ اپنی کسی تحریر میں اپنے علمی تفوّق کو ظاہر نہیں کیا بلکہ کلّموا النّاس علی قدرِ عقولھم کی حدیث پر ہمیشہ عمل پیرا رہے۔ اُٹھنے بیٹھنے، کھانے، پینے حتّٰی کہ ازدواجی معاملات تک میں شریعت کے دائرۂ جواز و اختیار کو بروئے کار لاتے ہوئے رسالت مآب ﷺ کی سُنّت کا احیاء فرمایا۔ چنانچہ اپنی ایک صاحبزادی کا نکاح حضرت عبد الرحمٰن طفسونجیؒ کے صاحبزادے سے کر دیا جو نسباً قریشی اسدی تھے۔ علامہ تادفی حنبلیؒ اپنی شہرۂ آفاق تصنیف "" میں جو پیرانِ پیرؒ کے حالات و سیرت پر مستند ترین

تصنیف ہے حضرت شیخ عبدالرحمٰن طفسونجیؒ اسدی یعنی قریشی کے حالات میں لکھتے ہیں: و لمّا حضرته الوفاة الوفاة قال لهٗ ولدهٗ أوصنی فقالَ أوصیكَ بحفظِ حُرمةالشیخ عبد القادر والوقوف عند أمرہٖ ولزوم خدمتہٖ فلمّا توفّی جاء ابنهٗ عند الشیخ عبد القادر فأکرمهٗ و البسهٗ خرقة وزوّجهٗ ابنتهٗ۔

ترجمہ: جب حضرت شیخ عبدالرحمٰن قریشی طفسونجیؒ کی وفات کا وقت قریب آیا تو اُن کے صاحبزادے نے اُن سے کہا کہ ”مجھے کوئی وصیّت فرمایئے“ فرمایا: میں تمہیں حضرت شیخ عبدالقادر کے تعمیلِ حکم اوران کی خدمت پر کمربستہ رہنے کی وصیّت کرتا ہوں۔ چنانچہ جب شیخ عبدالرحمٰن وفات پاگئے تو اُن کے صاحبزادے حضرت شیخ عبدالقادرؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے اُن کی عزّت کی اور اپنا خرقۂ خلافت عطا فرمانے کے ساتھ اپنی صاحبزادی کا نکاح اُن سے کر دیا (ملاحظہ ہو قلائدالجواہر (عربی) ص103 مطبوعہ میمینہ مصر سن طباعت 1317ھ)

حضرت عبدالرحمٰن کے اسدی یعنی قریشی النسب ہونے کا ذکر اسی کتاب کے ص102 پر موجود ہے اور شیخ نورالدّین ابوالحسن علی بن یوسف الشطنوفی الشافعیؒ بھی پیرانِ پیرؒ کے حالاتِ زندگی پر مشتمل مشہور ومستند کتاب ”بہجۃ الاسرار کے صفحہ 158 پر یہی بات یوں لاتے ہیں۔

احتضر شیخنا الشیخ عبدالرّحمٰن الطفسونجی رضی الله عنه فقال لهٗ ولدهٗ أوصنی قالَ أوصیكَ بحفظ حُرمة الشیخ عبد القادر

والوقوف عند أمرہٖ ولزوم خدمتہٖ فلمّا توفّیؒ جاء ابنهٗ إلی الشیخ عبدالقادر رضی اللّٰه عنه ببغداد فأکرمه الشیخ وألبسهٗ خرقة وزوّجهٗ ابنتهٗ۔

ترجمہ: (وہی ہے جو سابقاً تحریر ہوا) اوراسی صفحہ پر کچھ پہلے شیخ عبدالرحمٰن کے قریشی اسدی ہونے کا بیان بدیں الفاظ موجود ہے۔

و هو رضی اللّٰه عنه أسدی و کان أسمهٗ حبیباً فیما بلغنی لکن قیل لهٗ فی سرّہ مرحبًا بعبدالرحمن فسُمّی بہ۔ (بہجۃالاسرار ص158 مطبوعہ مطبع شرکۃ التمدن الصناعیۃ مصر سنِ طباعت 1330ھ)

مقامِ انصاف وغور ہے کہ اگر ساداتِ بنوفاطمہ کا رشتہ سوائے سادات کے دیگر خاندانوں میں بالعموم اور قریش میں بالخصوص جائز نہ ہوتا اور قریش ساداتِ حسنیہ اور حسینیہ کے کفو نہ ہوتے تو پیرانِ پیر جیسی جامع الکمالات شخصیت اپنی صاحبزادی ایک قریشی کے عقد میں کیوں دیتے۔

آپ کے اِس عمل نے جہاں رنگ ونسل کے لات ومنات کو پاش پاش کیا، وہاں اپنے نانا حضور سیدِ دوعالم ﷺ کی اُس روایت کی یاد کو بھی تازہ فرمادیا، جس کا ذکر سورۃ الاحزاب میں تفصیلاً موجود ہے کہ آپ نے اپنی پھوپھی زاد حضرت زینبؓ کا نکاح اپنے آزاد کردہ غلام حضرت زیدؓ بن حارث سے کر دیا تھا۔ آپؒ نے اتباعِ سُنّت کا صرف زبانی دعویٰ ہی نہیں کیا، بلکہ اِس کو عملی جامہ بھی پہنایا، اسی لیے تو اپنے ایک شعر میں کہہ دیا کہ۔ وَکُلّ وَلی لهٗ قدم" و انی علیٰ قدمِ النّبی بدرِ الکمالِ

آج کل کے بعض سادات جو غیر سادات میں رشتہ دینے کو شرعاً ناجائز اور حرام قرار دیتے ہیں وہ حضرتِ شیخؒ کے اس ناقابلِ تردید تاریخی عمل پر ٹھنڈے دل سے غور کریں اگر حضرتِ شیخؒ کے نزدیک ایسا کرنا شریعتِ محمدیؐ میں جائز اور حلال نہ ہوتا تو آپؒ ہرگز ہرگز ایسا نہ کرتے حضرت شیخؒ عبدالقادرؒ جیسے صحیح النسب بلکہ نجیب الطرفین سیّد کے اس عمل کے بعد اس موضوع پر مزید کوئی دلیل دینے کی گنجائش ہی نہیں رہتی، کیونکہ آپؒ کی سیادت ایک مسلّمہ حقیقت ہے اور آپؒ کا علم براہِ راست انا مدینۃُ العلم و علیٌ بابُھا سے فیض یافتہ تھا، اگر بعد کے کسی سیّد یا شیخ کا قول سُنّت کا درجہ رکھ سکتا ہے تو بقولِ حضرت پیر سیّد مہر علی شاہؒ گولڑوی.... ع کرم کیتا غوثِ اعظم اپنے سر دیاں والیاں حضرت پیرانِ پیرؒ کا عمل کیونکہ حُجت کا درجہ نہیں رکھتا۔

سربراہانِ مملکت پر آپؒ کی ہیبت کا ایسا اثر تھا کہ وہ شیخؒ کے وجودِ مسعود کو اپنے سر پر ایک لٹکتی تلوار سمجھتے تھے۔ کسی غیر شرعی عمل پر برسرِ عام ٹوک دینا آپ کا وطیرہ تھا۔ بیباکی فطرت میں تھی اور کیوں نہ ہوتی ؎

آئینِ جواں مرداں حق گوئی و بیباکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

خشیتِ الٰہیہ جزوِ ایمان تھی، امراء و سلاطین سے بے نیازانہ سلوک مزاج کا حصہ تھا اپنے مدرسہ کے غریب طلبہ اور شہر کے مساکین و یتامیٰ کے سر پر ہاتھ رکھنا، اُن کی دستگیری و مالی اعانت کرنا، اُن کی عزت کرنا آپ کا معمول تھا۔ اگر کبھی خلیفۂ وقت بارگاہِ غوثیت میں حاضری کا خواستگار ہوتا تو اُسے الگ کمرے میں بٹھا دیا جاتا تب آپؒ اُس کمرے میں داخل ہوتے تاکہ اُسے اُٹھنا پڑے نہ کہ آپؒ کو، اِس کے برعکس جب اپنے مدرسے کا کوئی غریب و یتیم طالب علم گھر جانے کی اجازت طلبی اور دست بوسی کے لیے حاضر ہوتا تو اُسے اُٹھ کر نہ صرف اپنے سینۂ بے کینہ سے لگاتے، بلکہ مدرسے کے صدر دروازے تک الوداع کہنے اُسے اپنے ساتھ لے کر جاتے اور۔ ع علم را اعزاز کردن بے حساب، کا عملی نمونہ پیش فرماتے۔ بازار سے گزرتے ہوئے اگر کوئی چھوٹا بچہ ہاتھ پکڑ لیتا تو اُس کے ہاتھ میں ہاتھ دیے رکھتے اور جب تک وہ خود ہاتھ نہ چھوڑتا آپؒ ہاتھ نہ چھڑاتے۔ غرباء اور فقراء سے عجز و انکسار کا برتاؤ فرماتے جب کہ اُمراء و سلاطین سے تعزز برتتے۔

شیخؒ کو اللہ تعالیٰ نے جمالِ باطنی و ظاہری سے نواز رکھا تھا اگرچہ آپؒ کی سیرت و صورت کا کماحقہٗ نقشہ کھینچنا کوئی آسان کام نہیں، تاہم آپؒ کی سیرتِ مقدسہ پر مشتمل کتب کے مطالعہ سے جو نقشہ لوحِ ذہن پر اُبھر کر سامنے آتا ہے وہ کچھ یوں ہے...... جامع مسجد بغداد کے منبر کو سجا کر بیٹھا ہوا ایک معجز بیاں خطیب، سر پر فضلِ علم کا بندھا ہوا عمامہ، زبان میں گوہرِ معارف لٹاتا ہوا خزانہ، جسمِ اطہر پر تارِ فقر سے بُنا ہوا جامہ، کانوں میں رس گھولتی زبان، ذہنوں میں خمار بھرتا بیان، ورود بہاروں کی جلوہ گاہ، وجود آیتٌ مِن آیاتِ اللہ جلوس میں سلیمانی وقار، قیام میں داؤدی اعتبار، خطابت

میں ابراہیمی توحید کی دھمک، نَفَس میں دمِ عیسٰی کی جھلک، ہاتھوں میں موسوی یدِ بیضا کی چمک، ہونٹوں پر یوسفی تبسم کی کھیلتی موجیں، چہرے پر جمالِ محمدی کی سرمدی تابانیاں آنکھوں میں جلالِ مرتضوی کی حیرت سامانیاں، لہجے میں عصمتِ زہرائی، سخن میں حَسنی دانائی، قامت میں حُسینی زیبائی، چال میں قدسیوں کی رعنائی، ماتھے پر خلافتِ آدم کا جھومر، سَر پر ولایتِ کبریٰ کا تاج، سکوت میں سیّد سجّاد کی تمکنت، کلام میں سیّدہ زینبؓ کی ہیبت، کردار میں امہاتِ اُمّت کی عفت، گفتار میں صدقِ صدیقی، برتاؤ میں عدلِ فاروقی، طبیعت میں بذل ونوالِ عثمانی، دریادلی میں حَسنِ مجتبٰی کا بہاؤ، مزاج میں ٹھہراؤ اور صبرِ ایوبی کا رچاؤ، فطرت میں غرباء و یتامٰی سے لگاؤ، نسب میں دوطرفہ سیادت، حسب میں اسلاف کی نجابت، ہر نگاہ ایک گلزارِ کرامت، ہر گام ایک کوہِ استقامت، سینے کو بھرتی ہوئی ریشِ دلنواز، دوش پر جھومتی ہوئی ہاشمی زلفِ دراز، رہن سہن شاہانہ، مگر مزاج فقیرانہ، نحیف بدن، قد میانہ، سینۂ بے کینہ کشادہ، ابرو ایک دوسرے سے ملنے پر آمادہ، بات پُر مغز مگر سادہ، لمسِ قدم کی زمین شرف یافتہ، متلاشیانِ منزلِ حق کے لیے رُشد وہُدٰی کا ایک جادہ، گندمی رنگ، کھِلتا ہوا چہرہ، بلند مگر لحنِ داؤدی میں رچی بسی آواز، چلن میں رسولانِ سلف کے انداز، علم وعمل میں کامل، بے ریائی و بے نفسی میں مکمل، زُہد و اتقا میں اکمل، عزت و شہرت اور کمالاتِ ظاہری و باطنی کے نقطۂ عروج پر فائز، مگر طبعاً خاموشی پسند، اِس موجز ومعجز بیان خطیب کو آج آنکھوں کا ہر بینا، منصف مزاج اور ہر بالغ نظر انسان پیر روشن ضمیر، پیر دستگیر بلکہ پیرانِ پیر کے آفاقی القاب سے یاد کرنا باعثِ مسرّت ومباہات سمجھتا ہے۔

کلام کی تیزی، بیان کی سحر انگیزی، سیلِ خطابت کے بہاؤ، بچے تُلے جملوں میں لفظ ومعنٰی کے رچاؤ اور صوتی دبدبہ سے سامعین کے دلوں پر آپؒ کے رُعب وجلال کی دھاک بیٹھ جاتی تھی۔ بڑے سے بڑے سخت دل پر نگاہِ جمال پڑتی تو وہ خضوع وخشوع اور عجز وانکسار کا مرقّع بن جاتا۔ جامع مسجد میں تشریف لاتے تو خلقِ خدا ہاتھ اُٹھا اُٹھا کر قاضی الحاجات کی بارگاہ میں مصروفِ دُعا ہو جاتی اور عرض کرتی کہ اپنے اِس پاک نہاد اور نماز گزار بندے کی آمد پر...... ع

یا غیاث المستغیثین ! در گشا بر جانِ ما

ذکرِ الٰہی کے لیے بندگانِ خُدا کو جن مجاہدات اور ریاضتوں سے گزرنا پڑتا ہے وہ اربابِ علم پر مخفی نہیں۔ حضرتِ شیخؒ نے منازلِ سلوک طے کرنے کے دَور میں جو مجاہدات کیے، اُن کی مثال مشکل سے ملتی ہے۔ ایک صوفی کے لیے سب سے بڑا جہاد اپنے نفس کے خلاف جہاد ہوتا ہے، شیخؒ کی ساری زندگی ایسے ہزارہا مجاہداتِ شاقہ میں گُزری، مگر یہی مجاہد جب شانِ محبوبیت کے ساتھ مسندِ رُشد وہُدٰی پر جلوہ فرما ہوا تو اُس کے لباس کے لیے دُور دراز ممالک سے نفیس کپڑا تیار ہو کر آتا، جس سے آپؒ علماء کا لباس بنوا کر زیبِ تن فرمایا کرتے اور روزانہ بدلتے۔ پہلا لباس فقراء ومساکین میں خیرات کر دیتے۔ روزانہ لباس تبدیل کرنے کی حکمت صرف غرباء پروری تھی۔ تبدیلی تو محض ایک بہانہ تھا۔ آپؒ کی ذاتِ اقدس، اخلاقِ حسنہ اور اوصافِ حمیدہ کا مجموعہ تھی۔

علوم و معارف کے اِس بحرِ ناپیدا کنار کی خاموشیوں پر کائنات مُہر بلب ہوجاتی اور اس کے تموّج پر موجودات کا دل لرزاں لرزاں ہوجاتا۔ حد درجہ رقیق القلب، منکسر المزاج کریم النفس اور فیّاض تھے۔ غریب طلباء اور مساکین پر اس قدر شفقت فرماتے کہ ہر نیاز مند یہی سمجھتا کہ آپ اُس سے زیادہ کسی پر مہربان نہیں غرباء کے ساتھ انتہائی تواضع سے پیش آتے۔ اُن کی گزارشات پوری توجہ سے سماعت فرماتے اور دلجوئی کرتے۔ مصائب و شدائد پر خوش دلی سے صابر و شاکر رہنا آپ کا شیوہ تھا۔ عظمت و جلال کے اِس کوہِ گراں کی شرم و حیا پر معصومانِ جہاں کی حیا کیشیاں قربان، ایک طرف تو عجز و انکسار کا یہ عالم کہ اپنے خانگی امور کی سرانجام دہی خود فرماتے اور دوسری طرف رُعب و دبدبہ کی یہ شان کہ امراُ و خلفاء لرز لرز جاتے۔

آسمانِ فقر و ولایت کا یہ مہرِ درخشاں اور سپہرِ علوم و معارف کا یہ نیرِ تاباں اکانوے (91) برس کی طویل مدّت تک اپنی خیرہ کُن ضیا پاشیوں، بیحد و بے حساب فیض رسانیوں اور حیرت انگیز جلوہ سامانیوں کے بعد 11 ربیع الثانی 561ھ شبِ جمعہ بعد از نمازِ عشاء آب و گل کے صُوری اُفق میں غروب ہو کر سابقہ تجلیاتی شان اور تصرّفاتی آن کے ساتھ عالمِ ابد کے مطلعِ معنوی پر ضیا بار ہوا ؎

ز سازِ عافیتِ خاک می رسد آواز
کہ ساکنانِ ادب گاہِ نیستی، ہستند

آپؒ نے اپنے اس مقام کی طرف خود بھی اس طرح اشارہ فرمایا تھا ؎

افلت شموس الاوّلین و شمسنا
ابداً علی اُفقِ العُلی لا تغربُ

علامہ محمد بن یحییٰ تادفیؒ کے بیان کے مطابق رات ہی کو باب الازج کے مدرسہ میں آپ کی تدفین ہوئی اور علامہ ابنِ جوزیؒ رات کو تدفین کی یہ وجہ بیان کرتے ہیں کہ ہجومِ خلائق کے سبب بغداد کے کوچے، سڑکیں، بازار اور مکانات بھر گئے تھے۔ جس کی وجہ سے دن کو تدفین ممکن نہ ہو سکی، اس قسم کے احوال ابنِ اثیر اور ابنِ کثیر نے بھی اپنی تواریخ میں نقل کیے ہیں۔

حضرتِ شیخؒ کی ذات کیونکہ جملہ اہلِ اسلام کے لیے ایک حجت و سند کا درجہ رکھتی ہے اِسی لیے بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ پیرانِ پیر ایک طرف تو اپنی تمام تحریروں اور خطبات میں صرف اللہ تعالیٰ کو حاجت روا، قاضی الحاجات، حقیقی متصرّف اور فعّالٌ لِما یُرید ثابت کرتے ہیں اور دوسری طرف اُن کے بعض اشعار کا مفہوم اس کے برعکس ہے۔ آپؒ سے منسوب قصیدۂ غوثیہ اور دیگر بعض قصائد کے اشعار اِس دعویٰ کی دلیل ہیں۔ جواباً گزارش ہے کہ محض حسد و بغض کی بنا پر کسی کو معاف نہ کرنا اور بات ہے اور کلام کی حقیقت کا ادراک بالکل مختلف معاملہ ہے محض الفاظ کے ظاہر کو دیکھ کر اُن پر فتویٰ داغ دینا قرینِ انصاف نہیں۔ راقم الحروف نے اپنی کتاب نام و نسب میں قصیدۂ غوثیہ کی سندِ اتصال اور اُس کے بعض اشعار پر وارد کردہ اعتراضات کا جواب تحریر کر دیا ہے۔ دراصل آپؒ نے اپنے اشعار میں بعض اُن خصوصی انعامات کا

ذکر فرمایا، جو ذاتِ باری تعالیٰ نے آپؒ پر بالخصوص فرمائے تھے۔ کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ بغداد میں اُس وقت حضرت پیرانِ پیرؒ کا کوئی مخالف نہ تھا؟ مخالفین و حاسدین تھے تو اُنہی ریشہ دوانیوں کے جواب میں آپؒ نے بہ طورِ تحدیثِ نعمت اِن انعاماتِ الٰہیہ کا اظہار بر ملا فرمایا۔ اُس دور کے حالات سے باخبر انسان کبھی ایسے کمزور اعتراضات نہیں کرتا، ایسی باتیں وہی کرتا ہے، جس کا مطالعاتی دائرہ نہایت محدود اور دامانِ نگاہ و فکر انتہائی تنگ ہو۔ حضرت کا عہد اہم ترین تاریخی واقعات سے لبریز ہے۔ ایک طرف سلاطینِ سلاجقہ اور خلفائے عباسیہ کی باہمی کشاکش نقطۂ عروج پر تھی اور باہمی معرکہ آرائیوں کے نتیجے میں مسلمانوں کا بے دریغ خون بہہ رہا تھا۔ دوسری طرف ''دین و مذہب کی خدمت'' کے نام پر مختلف مسالک معرضِ وجود میں آ چکے تھے۔ جن میں چند ایک مشہور فرقے درجِ ذیل ہیں۔ خارجی، شیعہ، معتزلہ، مُرجیہ، مشبّہہ، جہمیہ، ضراریہ، نجاریہ اور کلابیہ جنہوں نے ایسے ایسے عقائد پیش کیے، جو قرآن و سنت کے ظاہر سے معارض تھے۔ شیخؒ کو ان سب کے خلاف نبرد آزما ہونا پڑا، درباری مشائخ اور سرکاری علماء نے خلفائے وقت کی ہاں میں ہاں مِلانا اور اُن کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے قرآن و حدیث میں وارد الفاظ کی ایسی ایسی دور از کار تاویلات و تشریحات کرنا شروع کر دی تھیں کہ اللہ و رسول ﷺ کے ذخیرۂ احکام میں کھلی تحریف رونما ہونے لگی تھی۔ ایک کھلے مشرک اور کافر کو دلائل و براہین سے قائل کر لینا اتنا مشکل نہیں، جتنا ایک مدعیِ ایمان کے عقائدِ فاسدہ اور اُس کے مُشرکانہ اندازِ فکر کا قبلہ درست کرنا مشکل

ہوتا ہے۔

خواجۂ خواجگاں حضرت معین الدین اجمیریؒ کی دینی و ملّی خدمات کا کون انکار کر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہندوستان میں نائبِ رسول بنا کر بھیجا۔ حضرت شیخؒ اور حضرت اجمیریؒ کے مساعی میں یہ بنیادی فرق ہے کہ خواجۂ اجمیرؒ کے سامنے ایسی قوم تھی جو صریحاً مبتلائے شرک تھی، اُن کا قرآن و سنت سے دُور کا بھی واسطہ نہ تھا۔ اس لیے حضرت خواجۂ بزرگؒ نے اپنے ظاہری و باطنی کمالاتِ موہوبہ کو بروئے کار لاتے ہوئے اور رسولانِ سلف کے پیرایۂ تبلیغ کو اپناتے ہوئے کفر و شرک اور فسق و فجور کے اندھیروں میں ڈوبی ہوئی سرزمینِ ہند کے چہرے پر غازۂ توحید و رسالت مَل کر مطلعِ انوار بنا ڈالا۔ اس کے برعکس حضرت پیرانِ پیرؒ کو جس قوم سے سابقہ پڑا، وہ نہ تو مشرک تھی اور نہ قرآن و سنت سے بے خبر۔ بلکہ مدعیِ اسلام تھی، مگر دھڑے بندیوں نے سب کو بکھیر رکھا تھا اور ہر مسلک کا بانی اپنے آپ کو قرآن و سنت کا سب سے بڑا عالم سمجھتا تھا۔ اس طرح بے چاری قوم من حیث المجموع بعض نام نہاد دینی رہنماؤں کے اپنے تراشیدہ اور خود ساختہ عقائد کی زنجیروں میں جکڑ کر رہ گئی تھی۔

حضرتِ شیخؒ اِن سب جعلی علماء و مشائخ کے خلاف قرآن و سنت کی شمشیر برہنہ لے کر میدانِ عمل میں نہ صرف نکلے، بلکہ اپنے منبر پر بیٹھ کر اُن سب کو للکارا۔ یہ وہ دَور تھا کہ جس میں خلفائے راشدین کا نام تک لینا گناہ سمجھا جاتا تھا۔ سرکاری علماء اور درباری مشائخ کے ضمیر مردہ ہو چکے تھے۔ سلاطین و اُمرائے وقت کی تمنائے قُرب،

سیم و زر کی حرص اور خوشامد مزاجی نے اِن کی زبانوں سے حق گوئی اور بے باکی کے جوہر چھین لیے تھے۔ باطن فرقوں نے پیرانِ پیرؒ کے خلاف بازارِ عناد گرم کر رکھا تھا، طرح طرح کے سخت و سُست جملے اور آپ کی شان کے منافی کلمات کا بے دریغ استعمال ''جہاد فی سبیل اللہ'' سے کم نہیں سمجھتے تھے۔ جعلی صوفیوں اور بعض سرکاری پیروں نے شیخ کے مقابلے میں روحانیت اور کرامات کے کھوکھلے دعوؤں کا بازار گرم کر رکھا تھا اور خلقِ خدا کو اپنی مصنوعی دکانوں کی طرف گھسیٹ کر لے جا رہے تھے۔ شیخ جن کو باری تعالیٰ نے ہر طرح کی غیر معمولی طاقتوں سے نواز رکھا تھا، کچھ عرصہ ان سب کی دسیسہ کاریاں، مکاریاں اور عیاریاں دیکھتے رہے۔ آخر وہ وقت آیا کہ خالقِ کُل نے آپؒ کے قلب میں اپنے اُن انعامات کے ذکر کا حکم القاء فرمایا، جو اُس نے محض اپنے فضل سے آپؒ کو عطا کیے تھے۔ صاحبؐ مقام محمود کی نسبتِ غلامی و اتباع نے آواز دی کہ اگر مَیں صاحبِ مقامِ محمود ہوں تو تجھے میرے اور تیرے خالق نے مقامِ مُخدَع عطا کیا ہے۔ اے عبدالقادرؒ! آج بول اور کُھل کر بتا کہ تجھ پر تیرے مالک کے کس قدر احسانات ہیں اور یہ کہ تُو کون اور کیا ہے؟ چنانچہ آپؒ نے اُن انعاماتِ ربانیہ کے ذکر کی ابتداء اس مطلع سے فرمائی ۔

سقانی الحبُّ کأسات الوصالِ
فقلت لخمرتی نحوی تعالیٰ

اور پھر اُن سب لبادۂ فقر اوڑھنے والے درباری ملاؤں اور سرکاری پیروں کو بتایا کہ تم نے یہ

کیا جھوٹ کا بازار سجا رکھا ہے۔ آج میدان میں نکلو اور فألقوا ما انتم مُلقون، جو سانپ نکالنے ہیں، اب میرے سامنے نکالو۔ اِن اشعار کو بعد والوں نے ''قصیدۂ غوثیہ'' کا نام دیا۔ اِسی طرح آپؒ نے چند اور قصائد بھی کہے، جن کا ہر شعر زبان و بیان اور فصاحت و بلاغت اور محاسنِ سخن کا ایک شاہکار ہے۔ یہ سُن کر پورے بغداد میں سناٹا چھا گیا اور پیرانِ پیرؒ کے سحابِ ہیبت نے دُور دُور تک کے علاقوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ روحانیت کے بلند بانگ دعویٰ کرنے والے تمام جعلی مشائخ اور سلاطین و اُمرأ کے تمام کاسہ لیس، نام نہاد علماء جھاگ کی طرح بیٹھ گئے، کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ ہم سب کے تو محض جھوٹے دعوے ہیں، مگر جس کا نام عبدالقادرؒ ہے وہ جو کچھ کہہ رہا ہے کر کے بھی دکھائے گا۔ مختصر یہ کہ حضرت شیخ عبدالقادرؒ کے ایسے تمام اشعار جو بہ ظاہر خود ستائی پر مشتمل نظر آتے ہیں ان کو مذکورہ تاریخی حقائق اور حالات کی روشنی میں رکھتے ہوئے دیکھنا چاہیے اور پھر لطف کی بات یہ ہے کہ ان تمام اشعار میں شیخؒ نے کسی بھی فعل کی نسبت اپنی طرف نہیں کی، بلکہ باری تعالیٰ کی طرف کی، مثلاً اُن کا یہ شعر ۔

ولو القیتُ سّری فوق میتٍ
لقام بقدرۃ المولیٰ، مشی، لی

اگر مَیں کسی مُردہ پر اپنی توجہ ڈالوں تو اللہ تعالیٰ کی قدرت سے اُٹھ کر میری طرف چلنا شروع کر دے، اگر وہ یہ کہتے کہ اگر مَیں چاہوں تو از خود کسی مُردہ کو زندہ کر سکتا ہوں تو یہ صریح شرک تھا۔ مگر اللہ تعالیٰ کی قدرت سے کسی مُردے کا اُٹھنا کوئی

بھی مسلمان محال نہیں سمجھتا، ہاں اِس شعر میں اگر کوئی بات کسی کو کھٹک سکتی ہے تو السِّرُّ سِرّی ہے۔ مگر اِس کا جواب یہ ہے کہ شیخؒ کو صاحبِ سِرّ (راز) کس نے بنایا، وہ خود تو نہیں بنے، نہ بن سکتے ہیں اور نہ اُنہوں نے کہیں کوئی ایسا دعویٰ کیا۔ پس ثابت ہوا کہ اگر کوئی انسان صاحبِ سِرّ بنتا ہے تو محض اللہ تعالیٰ کے فضل اور پھر قرآن وسُنّت کے کامل اتباع کے طفیل۔ ایسی بے شمار مثالیں قرآن مجید میں قصصِ انبیاء کے حوالے سے موجود ہیں کہ نبیؑ یا کوئی رسولؑ ایک دعویٰ کرتا ہے اور اُس معجزہ کا ظہور اُسی کے ہاتھوں پر یا اُس کی وجہ سے ہوتا ہے۔ مگر خود قرآن اُس امر کی نسبت اپنی طرف کرتا ہے، یا پھر رسول بھی یہی کہتا ہے کہ کُلٌّ مِّن عند اللہ یہ سب کچھ اللہ کی طرف سے ظہور پذیر ہوا ہے، اِس کا حقیقی فاعل مَیں نہیں ہوں۔ یا پھر ھذا مِن فضلِ ربّی کہ یہ تو میرے رب کا فضل ہے اگر وہاں شرک کا فتویٰ نہیں لگایا جا سکتا تو کسی عبدِ مقبول کے ہاتھ یا توسط سے معرضِ وجود میں آنے والے کسی خارقِ عادت عمل پر کن دلائل کی بنا پر شرک وبدعت کا فتویٰ داغا جا سکتا ہے؟

جبکہ حضرتِ شیخؒ تو اپنی ذات سے نفیِ فاعلیت کی التجا بارگاہِ قاضی الحاجات میں یوں کرتے ہیں " رب اشھدنی مطلق فاعلیّتك فی کل مفعولٍ حتیٰ لا اری فاعلاً غیرك لاکون مطمئناً تحت جریان اقدارك منقاداً لکل حکمٍ وجودیٍّ عینیٍّ و غیبیٍّ یا نافخاً روح امرہ فی کل عینٍ اجعلنی منفعلاً فی کل حالٍ لّما یحوّلنی عن ظلمٰت تکوینا تی وامحق فعلی و فعل الفاعلین

فی احدیّۃ فعلك وتولّنی بجمیل حمیدِ اختیارِك لی فی جمیع توجّہاتی وافنِ منیّ اراداتی "۔ ملاحظہ ہو مجموعہ وظائفِ چشتیہ مطبوعہ گولڑہ شریف صفحہ 26,25.

ترجمہ: اے میرے پروردگار! مجھے ہر ایک مفعول میں اپنی فاعلیت دِکھلا یعنی مجھے ایسا کر کہ تیری کمالِ قدرت کے سوا کسی کی فاعلیت کو خیال میں نہ لاؤں، یہاں تک کہ تیرے سوا کوئی فاعل نہ دیکھوں تا کہ تیری تقدیروں کے تحت ثابت و مطمئن دِل ہو جاؤں اور تیرے ہر ایک حکمِ وجودی، عینی، غیبی اور برزخی کا فرماں بردار ہو جاؤں اے امر کی روح ہر ایک وجود میں پھونکنے والے! مجھے ہر حال میں امر قبول کرنے والا کر، جو کہ مجھے جہان کے اندھیروں سے برگشتہ کرے اور اپنے فعل کے اکیلے پن میں میرے فعل اور تمام فاعلین کے افعال کو نیست کر دے اور اپنے بزرگ اور بہتر اختیار سے جو تُو میرے لئے رکھتا ہے میری کارسازی تمام توجہات سے کر اور میرے ارادے سے مجھے فانی کر۔

جہاں شیخؒ اپنی ذات سے نفی ارادہ کر رہے ہیں وہاں کون سی غیریت رہ گئی اور پھر شرک کیسے لازم آیا؟ بلکہ اپنے قصائد میں جہاں کہیں بھی شیخؒ نے ایسے جملے ارشاد فرمائے وہ تشکّر وامتنان کے سمندر میں غوطہ زن ہو کر محض بطورِ تحدیثِ نعمت و اکرام ادا کئے۔ اگر اُن میں فاعلیت و ارادہ کی نسبت عبد کی طرف ہوتی ہے تو وہ مقامِ فنا میں شجرۂ موسیٰ کے قائم مقام ہو کر ہوتی ہے۔

جب تجلّیٰ ربانی ایک درخت میں جلوہ گری کرتی ہے تو وہ درخت بھی مسرّت ومباہات کی کیفیت میں سرشار اور رقص کناں پکارتا ہے ان یا موسیٰ انّی انا اللہُ رب العٰلمین یعنی اے موسیٰ بے شک میں ہی ہوں اللہ، ربّ سارے جہانوں کا۔ حالانکہ درخت سے ظہور پذیر ہونے والی آگ ہرگز رب نہیں اور نہ ہی درخت میں ذاتِ باری تعالیٰ کا حلول ہے۔ مگر غلبۂ تجلّیات کے سبب درخت کی آگ میں سے اُسی ذاتِ مطلق نے یہ ندا دی تو غلبۂ تجلّیات کے سبب کسی انسانِ کامل کے دہن سے یہ ندا کیوں کر بلند نہیں کی جاسکتی۔ بقولِ راقم الحروف ۔

چہ شُد گر آمدہ بانگِ انا الحق از منصورؒ
کہ قطرہ مدّعیِ ذاتِ خود، زِیَم نسبی ست

حضرت شیخؒ نے اپنے ایک اور طویل قصیدے میں بڑے عمدہ مضامین باندھے، جن میں اللہ تعالیٰ کے کرامات وانعامات کا جی کھول کر تحدیثِ نعمت کے طور پر ذکر فرمایا۔ ایک قصیدے کا مطلع یوں ہے ۔

ما فی المناھل منھل ؐ مستعذبُ
الاّ ولي فیھا الالذّ الاطیبُ

معرفت کی پن گھٹوں میں کوئی ایسی پن گھٹ نہیں، جس میں میرے لیے لذیذ ترین اور بہترین حصہ نہ رکھا گیا ہو۔ یعنی وصول الی اللہ کے کائنات میں جس قدر طریقے اور سرچشمے ہیں، ساقیٔ کائنات نے ہر اُس چشمے اور ہر اُس پن گھٹ سے میرا

حصہ الگ چھانٹ کر رکھ دیا ہے۔ شیخؒ کی اِسی بات کو مَیں نے ایک شعر میں یوں کہا تھا ۔

میکدے میں اب بھی اتنی ساکھ ہے اپنی نصیرؔ
اِک ہمارے نام کا رہتا ہے پیمانہ الگ

اسی طرح ایک اور عربی قصیدے میں فرماتے ہیں ۔

عليٰ بابنا قف عندضیق المناھج
تفز بعليّ القدرِ من ذی المعارج
الم تر انّ اللہَ ا سبغَ نعمةً
علینا و ولّا نا قضاء الحوائج

ترجمہ: اے آنے والے! جب تجھ پر تیری حیات کے راستے تنگ ہو جائیں تو ہمارے دروازے پر آ کر کھڑا ہو جا، اللہ تعالیٰ جو ذی المعارج ہے اُس کے لطف وکرم سے بلندیوں پر فائز ہو جا۔ کیا تُو نہیں دیکھتا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر اپنی نعمتیں اُنڈیل دی ہیں اور ہمیں انسانی ضروریات کے پورا کرنے پر مقرر فرمایا ہے۔

بعض تنگ نظر ناقدین آخری مصرعہ پر اعتراض کرتے ہوئے کہتے ہیں ایک طرف تو شیخ عبدالقادرؒ اللہ تعالیٰ کے قاضی الحاجات اور دافع المشکلات ہونے کا درس دیتے ہیں، اور دوسری طرف اپنے آپ کو اس خدائی عہدہ میں شریک بتا رہے ہیں۔ اِسی مقالہ میں کچھ پہلے مَیں نے گزارش کی تھی کہ نثر و نظم کے محض ظاہر الفاظ سے سمجھے جانے والے سطحی مفہوم کو اُن کا اصلی مفہوم قرار نہیں دینا چاہیے۔ یہی حال قرآنِ مجید کی

بعض آیات کا ہے کہ اگر محض الفاظ سے واضح ہونے والے مفہوم کو اُن کا حقیقی معنٰی قرار دیا جائے تو بہت سے اعتراضات سَر اُٹھانے لگتے ہیں۔ یہی حال عارفین کے کلام کا ہے۔ مذکورہ اشعار میں اللہ تعالیٰ کے فضل کا ذکر کیا گیا۔ محض خودستائی سے کام نہیں لیا گیا اور یہ نہیں کہا گیا کہ مَیں یہ سب کچھ ذاتی طور پر ہوں۔

بلکہ ان اشعار میں (جن کا انتساب حضرتِ شیخؒ کی طرف یقینی طور پر معلوم نہیں، کیونکہ آپ کے مشہور قصائد بہجۃ الاسرار و فتوح الغیب وغیرہ میں مندرج اشعار میں کہیں بھی اِن کا سُراغ نہ مِل سکا، البتہ راقم الحروف نے یہ رُباعی نما قطعہ بغداد شریف میں آپ کی درگاہ کے صدر دروازہ پر لکھا ہوا دیکھا تھا) ایک ایک لفظ فاعلِ حقیقی و متصرفِ اصلی کی طرف اشارہ کناں نظر آتا ہے۔ مِن ذی المعارج میں اُسی قادرِ مطلق و عزیزِ مقتدر کی طرف نسبت ہے۔ اسبغ نعمۃً میں نمونۂ کلامِ الٰہی سے تبرک و تمسک کرتے ہوئے اَسبغ علیکمْ نِعَمَہ' ظاھرۃً وّ باطنۃً کا اعتراف و اقرار ہے۔ قضاء الحوائج میں نسبت و اسناد مجازی ہے حقیقی نہیں اور پھر یہاں مافوق الاسباب قسم کی حاجات برآری بھی ہرگز مُراد نہیں، کیونکہ یہ خاصۂ ذاتِ باری تعالیٰ ہے۔

خود حضرتِ شیخؒ نے استعانت و استغاثہ کے مسئلہ کو فتوح الغیب مقالہ نمبر 42 صفحہ 99 مطبوعہ مصر میں بہ طریقِ احسن واضح فرمایا ہے۔ حضرت ابنِ عباسؓ کی مروی حدیث کو بطورِ سند لائے ہیں، فرماتے ہیں وھو ماروی عن عطاء عن ابن

عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال بینما أ نا ر دیف رسول اللہ ﷺ اذ قال لی یا غلام احفظ اللہ یحفظلك احفظ اللہ تجدہ أ مامك فاذا سألت فاسأل اللہ وَ اذا استعنت فا ستعِن باللہ جفَّ القلم بما ھو کائن فلو جھد العباد أن ینفعوك بشئی لم یقضہ اللہ لك لم یقد رُ و ا علیہ ولو ـــــ یقدرُوا علیہ فان استطعت ان تعامل اللہ بالصّدق و الیقین فاعمل و ان لم تستطع فان فی الصّبر علی ما تکرہ خیرا کثیرا واعلم انّ النصرۃ با الصّبر و الفرج مع الکرب (وانّ مع العسرِ یسرًا)

ترجمہ: حضرت ابنِ عباسؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ مَیں ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سواری پر بیٹھا ہوا تھا کہ آپ ﷺ نے مجھے ارشاد فرمایا، اے بچے! تُو حقوقِ الٰہیہ کی حفاظت کر اللہ تعالیٰ تیری حفاظت فرمائے گا تُو خیالات و معاملات میں اللہ تعالیٰ کا لحاظ رکھ تو اُسے ہر لحہ اپنے پاس محسوس کرے گا پس سمجھ لے کہ جب بھی کوئی چیز مانگنی ہو اللہ تعالیٰ ہی سے مانگ اور جب (کسی مشکل میں) مدد طلب کرے تو اللہ تعالیٰ ہی سے طلب کر۔ جو کچھ ہونا ہے وہ لکھا جاچکا اور قلم لکھ کر خشک ہوگیا، پس اگر مخلوق کی ایک کثیر جماعت بھی تجھے ذرّہ برابر نفع پہنچانا چاہے، مگر اللہ تعالیٰ نہ چاہے تو وہ تجھے کچھ بھی نفع پہنچانے پر قادر نہ ہو سکے گی اور اگر افرادِ مخلوق تجھے نقصان دینا چاہیں، مگر اللہ تعالیٰ نہ چاہے تو تجھے کچھ بھی گزند نہیں پہنچا سکتے۔ تجھ سے جہاں تک ہو سکے اپنے اعمال میں اللہ تعالیٰ سے صدق اور یقین کا معاملہ رکھ اور اگر

(کوئی تکلیف پہنچے تو) ہو سکے تو صبر کر کیونکہ بہت سی ایسی باتیں جن کو تُو ناپسند کرتا ہے مگر اُن میں صبر کرنے سے تجھے کثیر نفع پہنچے گا اور یقین کے ساتھ جان لے کہ صبر کرنے سے مدد حاصل ہوتی ہے اور دُکھ سہنے سے خوشی اور سکھ حاصل ہوتا ہے۔

اِس حدیث شریف میں کس صراحت سے مسئلہ استمداد کو حل کر دیا گیا ہے۔

مزید برآں حضرت پیرانِ پیرؒ اس سے متصل المقالة الثالثة والا ربعون فی ذمّ السؤال من غیر الله تعالیٰ میں فرماتے ہیں، ما سا ل النّاس من سا ل الاّ لجهله با لله عزّ و جل و ضعف ایما نه‘ و معر فته و یقینه وقلّة صبر ه وما تعفّف من تعفّف عن ذلك إلاّ لِوُ فور علمه بالله عزّو جلّ وقوّة ایما نه ویقینه و تزا ید معر فته بر بّه عزّو جلّ فی کلّ یو م و لحظة و حیائه منه عزّ و جلّ۔

ترجمہ: جس شخص نے بھی انسانوں سے اپنی کوئی حاجت چاہی اُس نے محض اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات سے جہالت، ایمان کی کمزوری، معرفت ویقین کی پژمردگی اور صبر کی کمی کی بنا پر ایسا کیا اور جس نے انسانوں (مخلوق) سے حاجت خواہی میں بے نیازی و بے رغبتی برتی اُس نے اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے علمِ حق الیقین، ایمان ویقین کی پختگی، زیادتِ معرفت اور ربّ تعالیٰ سے ہر لمحہ ولحظہ حیاء وشرم کی وجہ سے ایسا کیا۔

حضرت شیخؒ کی اِس تصریح سے یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچ گیا کہ جو شخص معرفتِ باری تعالیٰ میں جس قدر پختہ، ایمان میں مضبوط اور شرم وحیا کے زیور سے آراستہ ہوگا، وہ اُسی قدر مخلوق سے حاجتیں طلب کرنے اور استغاثہ واستمداد سے پرہیز کرے گا۔ جو شخص ایمان ومعرفت، یقین وتوکل اور شرم وحیاء میں جس قدر تہی دامن ہوگا اُسی قدر غیروں کے دروازے کھٹکھٹانے میں بے باک ہوگا۔ دیکھئے، ایمان وشرک مفہوماً متضاد ہیں اور الحیاء من الایمان حدیثِ نبویؐ ہے تو بے حیا کیونکر بے ایمان اور مشرک نہ ہوگا۔ بلکہ جو حقوقِ عباد اور معاملاتِ خلق میں ایسا کرے وہ تو مستوجب سزا ہے۔ لیکن جو حقوقِ باری تعالیٰ میں ایسا کرتا ہے وہ کہاں کا مؤمن اور جنّتی ہے۔ اصل حیاء تو اللہ تعالیٰ ہی سے ہے بندوں کا حیاء تو بعد کی بات ہے۔

شیخؒ کے حالات سے باخبر لوگ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپؒ کو جہاں باطنی کمالات اور جملہ علوم وفنون میں یدِ طولیٰ عطا فرمایا تھا وہاں دنیوی شان وشوکت، مال واسباب اور درہم ودینار کی دولت سے بھی نواز رکھا تھا، چونکہ آپؒ نہایت دریا دل اور سخی انسان تھے۔ اِن اشعار میں آپؒ نے اپنی طبعی فیاضی اور اپنے فطری ذوقِ بذل وعطا کا ذکر فرمایا کہ اے غریب اور نادار انسان! جب معیشت کے تمام راستے تجھ پر بند ہو جائیں تو عبدالقادرؒ کے دروازے پر دستک دے اور ذی المعارج یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے تُو عزت کی بلندیوں تک پہنچ۔ کیا تُو نہیں دیکھتا کہ اللہ تعالیٰ نے عبدالقادرؒ کو نعمتِ خاص سے نواز رکھا ہے اور اُسے تجھ جیسے مستحق خدمت کی بنیادی حاجات اور ضروریاتِ زندگی کو بہتر بنا دینے کی توفیق دے رکھی ہے۔ اِن اشعار میں

کہاں سے شرک گھس آیا۔ یہاں تو اپنے دروازے پر آنے والے حاجت مندوں کو صرف یہ بتایا جا رہا ہے کہ تم ٹھیک جگہ پر پہنچے ہو، یہ کسی سلطان یا امیرِ شہر کا دروازہ نہیں کہ تمہیں خالی ہاتھ لوٹا دیا جائے گا۔ بلکہ یہ ایک ایسے فقیر کا دروازہ ہے جو بہ ظاہر تو امیر نظر آتا ہے مگر درحقیقت وُہ اپنے آپ کو اُس داتا اور اُس پالن ہار کے در کا فقیر سمجھتا ہے جو اُس کی جھولی میں بھی رزق کی بھیک ڈالتا ہے۔

حضرت شیخؒ بہ ایں جلالتِ شان بخوبی جانتے تھے کہ اُن کے سمیت ساری کائناتِ انسانیت اُس کریم مطلق کے دروازۂ فیض اندازہ کی بھکاری اور فقیر ہے، جس نے اپنی آخری کتاب میں واللّٰہ الغنی و انتم الفقراء فرمایا ہے۔ یہ تو آپؒ کے محولہ بالا اشعار کا مفہوم، تھا جو مَیں نے بیان کیا اور روحانیت کے تاجداروں کے مخالفین کا منہ بند کیا۔ مگر مَیں ذاتی طور پر یہ سمجھتا ہوں کہ اِس عبدالقادرؒ کو قادرِ مطلق نے اس انداز سے نوازا ہے کہ کوئی قلاش، معیشت کا مارا، تنگ دست یا کوئی بھی حاجت رکھنے والا اگر آج بھی بغداد میں جا کر شیخ عبدالقادرؒ کا دروازۂ رحمت کھٹکھٹائے تو عبدالقادرؒ کا خالق اُس سائل کو خالی ہاتھ ہرگز نہیں لوٹاتا، بلکہ شیخؒ کی عزت اور اُس کے دروازے کی ساکھ کو قائم رکھتے ہوئے آنے والوں کی جھولیاں بھر دیتا ہے۔ اِس کیلئے بغداد جانا ضروری نہیں، کیونکہ یہ وہ دُنیا ہے جہاں فاصلے سمیٹ دیئے جاتے ہیں یہاں قرب وبعد کے معانی بدل جاتے ہیں۔ یہ وہ توحید پرست اور اللہ تعالیٰ کا وہ بے مثیل و بے عدیل بندہ ہے کہ اِس کا نام لے کر دنیا کے کسی گوشے میں اللہ تعالیٰ کو

پکار کر کہا جائے کہ اے عبدالقادرؒ کے خالق! مجھ پر اپنے اُس مقبول بارگاہ عبد کے طفیل اپنا دروازۂ رحمت کھول، تو کوئی وجہ نہیں کہ رحمتِ باری تعالیٰ کا دروازہ اُس پر " وا " نہ ہو۔ اُس کے اُٹھے ہوئے ہاتھ اور منہ سے نکلے ہوئے الفاظ پچھ لے کر نہ آئیں، یہ درست ہے کہ عبدالقادرؒ مجیب الدعوات نہیں مگر ایک بندۂ مستجاب الدعوات تو ہے۔

سو...... اے سائل، اے حاجت مند انسان! اپنے دل میں صدق رکھ اور شیخ عبدالقادرؒ کا تصور ذہن میں لا کر اللہ تعالیٰ سے کہیں بھی اور کچھ بھی مانگ، ان شاء اللہ تیری دُعا صرف قبول ہی نہ ہوگی، بلکہ اپنی اِس دُعا کو تُو تیر بہدف سمجھ۔ صدقِ دل کے ساتھ شیخ عبدالقادرؒ کو ذہن میں لا کر اللہ سے مانگنے والا فقیر جب دولتِ یقین سے مالا مال ہو کر صدا لگاتا ہے تو اُس کے دل میں یک گونہ ٹھہراؤ پیدا ہو جاتا ہے اور یقین کی ایک کیفیت رُونما ہونے لگتی ہے تو پھر وہ عالمِ یقین میں بے ساختہ پکار اُٹھتا ہے کہ۔

مری دُعا نہ اثر سے کبھی ملول ہوئی
اِدھر زبان سے نکلی، اُدھر قبول ہوئی

معترضین سے التماس ہے کہ وہ اور کسی سلسلے کے شیخ کے بارے میں تو شاید کوئی معقول اعتراض وارد کر سکیں، مگر ہمارے شیخ عبدالقادرؒ کے بارے میں کسی قسم کا کوئی اعتراض پیش کرنا محض حماقت اور حسد وبغض پر مبنی ہوگا اور ان بیماریوں کا علاج حکیم حضرت لقمانؒ کے پاس بھی نہیں۔ البتہ قرآن نے ان امراض میں مبتلا مریضوں کے لیے ایک نسخۂ شافی لکھا ہے اور وہ ہے کہ قل موتوا بغیظکم اپنے ای

غصے کی موت مر جاؤ۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑویؒ نے بارگاہِ غوثیت میں پنجابی اشعار کی صورت میں ایک التماس التفات کی تھی، جس کا آخری مصرع ہے ؂

دست گیر کر مہر توں مہر علی تے کون باجھ تیرے اللہ راسیاں دا

میں ایسی نظم ونثر پر وارد ہونے والے اعتراض کا جواب آگے چل کر پیش کرتا ہوں۔ مختصر یہ کہ اس بظاہر استغاثہ کا یہ مطلب نہیں حضرت گولڑویؒ حضرت شیخ عبد القادرؒ کو نعوذ وباللہ مرتبۂ اُلوہیت پر فائز سمجھ کر فریاد کر رہے ہیں، ایسا سوچنا بھی کفر ہے۔ لہٰذا ایسے کمزور عقیدے کی توقع حضرت گولڑویؒ جیسے فاضل علوم دینیہ اور محافظِ تعلیماتِ شرعیہ سے ہرگز نہیں کی جاسکتی، بات اتنی ہے چونکہ حضرت پیرانِ پیرؒ حضرت گولڑویؒ کے آباؤ اجداد میں سے بھی تھے۔ اس لئے جس طرح مصیبت کے وقت بچہ اپنی ماں کو یاد کر کے اپنی مصیبت کا ذکر کرتا ہے حالانکہ ماں ذاتی طور پر اس کی وہ مصیبت ٹال نہیں سکتی، مگر رشتے کا قرب یہ تقاضا کرتا ہے کہ وہ اپنی ماں کو مصیبت میں پکارے اور یہ ہر انسان کا فطری عمل ہے، جس کا انکار ممکن نہیں۔

جب انگریز نے حضرت گولڑویؒ پر دھونس جمانا شروع کی اور اپنے دربارِ دہلی میں حاضر ہونے کا حکم دیا تو آپؒ نے کھلے الفاظ میں انکار کر دیا کہ مسجد کی طرف چل کر جانے والے قدم ایک کافر کی طرف نہیں جاسکتے، وہ دور آپؒ پر ابتلاء کا دور تھا۔ ذہنی پریشانی جب عروج پر آئی تو حضرت پیرانِ پیرؒ کو جو اُن کے بزرگ بھی تھے، آواز دی

یہ آواز بالکل وہی احساس اپنے اندر لئے ہوئے تھی، جو ایک دُکھیا انسان مصائب وشدائد میں گھبرا کر اپنے کسی فوت شُدہ بُزرگ یا کسی زندہ اور ہمدردہستی کو رورو کر پکارتا اور یاد کرتا ہے اِس رونے اور اُسے پکارنے کا یہ مطلب ہرگز نہیں نکالنا چاہئے کہ وہ اُسے اللہ تعالیٰ کی طرح حاجت روا، مشکل کُشا اور قاضی الحاجات سمجھ کر پکار رہا ہے، بلکہ اپنے کسی قریب ترین رشتے کو سامنے رکھ کر اُسے دعوتِ توجہ دے رہا ہے اور اِس طرح اُس کے دلِ بے سکون کو سکون مِل رہا ہے۔ بیدلؔ نے کیا خوب کہا تھا ؂

بہ تسکینِ دلِ مجروح بسمل
پر افشاندہ مرہم آفریدند

حضرتِ اعلیٰ گولڑویؒ نے اِس شعر میں محض اپنے ذوق کا اظہار کیا اور وہ بھی مخصوص کیفیت میں، نہ یہ کہ حضرتِ اعلیٰ کی تعلیم یہ تھی۔ اگر یہی تعلیم ہوتی تو آپؒ اپنے فرزندِ ارجمند حضرت بابوجیؒ کو اِس کے برعکس نصیحت کیوں کرتے؟ کیا خالص اور اچھی تعلیم اپنی حقیقی ومعنوی اولاد سے بچا کر رکھی جاتی ہے؟ بقولِ امیر مینائیؒ..... ؂

وہ الگ باندھ کے رکھا ہے جو مال اچھا ہے

آپؒ حضرت بابوجیؒ کو اپنے مکتوب گرامی میں یوں نصیحت وموعظت کرتے ہوئے لکھتے ہیں ”ہر کام اور ہر حال میں اُسی لطیف قبل از لطیف کی طرف دھیان رکھو اور اُسی کے دستِ نگر رہو..... مکرر لکھتا ہوں کہ بہر حال اُسی کے دروازے پر گڑگڑانا اور اُسی سے محظوظ ہونا اصل الاصول ہے حصولِ سعادتِ دارین کے لیے

خالص بندہ کو حصولِ مطلب سے چنداں حظ نہیں ہوتا، جس قدر کہ اُس کے آگے ہاتھ پھیلانے اور اظہارِ نیاز سے"۔ (مہرِ منیر صفحہ 362 مطبوعہ گولڑہ شریف)

حضرتِ اعلیٰ گولڑویؒ کی یہ زرّیں نصیحت اُن کے فرزند حضرت بابوجیؒ کے حق میں آپ نے ملاحظہ فرمائی، لگے ہاتھوں حضرت پیرانِ پیرؒ کی ایک حکیمانہ وصیت سے بھی بہرہ مند ہوتے چلیے جو آپؒ نے بوقتِ وصال اپنے فرزند حضرت عبدالوہابؒ گیلانیؒ کو فرمائی تھی، ارشاد فرمایا علیك بتقوی اللہ عزّوجلّ ولاتخف احدًا سوَی اللہ ولاترجُ احدًا سوَی اللہ وکِل الحوائج الی اللہ عزوجل ولا تعتمد الاعلیہ واطلبھا جمیعًا منہ تعالیٰ ولا تتکل باحدٍ غیراللہ سبحانہ التوحید التوحید اجماع الکل۔ (تکملہ فتوح الغیب بحاشیہ بہجۃ الاسرار صفحہ 168 مطبوعہ مصر)

ترجمہ: تجھ پر خوفِ خُدا لازم ہے اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہ ڈر، اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے اُمید نہ رکھ اور تمام حاجات اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دے اور اس کے سوا کسی پر اعتماد نہ رکھ اور تمام حاجات اُسی سے طلب کر اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی پر بھروسہ نہ کر۔ عقیدۂ توحید پر ہمیشہ قائم رہ اسی پر سب کا اجماع ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں علم کے ساتھ دانائی بھی عطا کرے تاکہ ہم ایسے کلام اور ایسی عبارت کو بہ اعماقِ نظر دیکھ کر اُن کے حقیقی مطالب و مفاہیم تک رسائی حاصل کر سکیں۔ کتاب و سُنّت کا اگر اعماقِ نظر سے مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت آفتابِ نیم روز کی طرح

آشکار ہو جاتی ہے کہ استغاثہ واستمداد کی جملہ انواع واقسام اُس ذات کی بارگاہِ بے کس پناہ سے مخصوص ہیں، جو اُمتوں کے علاوہ انبیاء ومرسلین کا بھی مجیب الدعوات اور قاضی الحاجات ہے۔ چنانچہ حضرتِ نوح علیہ السلام اپنے مالک کے حضور یوں عرض پرداز ہیں ونوحًا اذ نادی من قبل فاستجبنالہٗ یعنی اور نوح علیہ السّلام نے اس سے پہلے پکارا تو ہم نے اُس کی پکار کا جواب دیا (یعنی قبول کیا)۔ حضرت یونس علیہ السّلام ونادی فی الظلمٰت ان لَا الٰہ الّا انت سبحانك انی کنتُ من الظٰلمین کہہ کر اپنی بندگی اور اپنے خالق کی اُلوہیت کا اقرار کرتے نظر آتے ہیں۔ حضرتِ زکریا علیہ السّلام کے استغاثہ و فریاد کو قرآنِ مجید اِن الفاظ میں بیان فرماتا ہے وزکریّا اذنادی ربّہٗ ربِ لاتذرنی فردًا وانت خیرالوارثین یعنی اور جب زکریا علیہ السّلام نے اپنے رب کو پکارا کہ اے میرے پروردگار مجھے تنہا مت چھوڑ اور تو سب سے بہتر وارث ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السّلام اپنے بیٹوں اور اہلِ خانہ کے طعن وتمسخر پر بارگاہِ غیاث المستغیثین میں اپنے دیرینہ تعلق اور نسبتِ بندگی کو بتاتے ہوئے یوں لب کشا ہوتے ہیں قال انمااشکوا بثّی وحُزنی الی اللہ یعنی میں اپنے غم والم کی فریاد اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کرتا ہوں۔

فوت شدگان سے استغاثہ واستعانت کا ثبوت قرآن وسنّت میں نہیں ملتا اور دنیا میں بھی مافوق الاسباب قسم کے استغاثہ کی کسی سے امید رکھنا بھی نہیں البتہ قرآن میں اس کا استعمال ظاہری مدد طلبی کے لئے یوں ہوا ہے۔

فا ستغاثہ الذی من شیعتہ علی الذی من عدوّہٖ۔

ترجمہ: تو وہ جو اُس کے گروہ سے تھا اُس نے موسیٰ سے مدد مانگی اُس پر جو اُس کے دشمنوں سے تھا۔

رہی یہ بات کہ بعض اسلافِ کرام اور بزرگانِ دین کے منظوم یا منثور کلام میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور سے بھی استمدادی کلمات کا ثبوت ملتا ہے تو یہاں دو امور توجہ طلب ہیں، ایک یہ کہ اُنہوں نے اگر کہیں ایسے کلمات ادا کیے ہیں تو وہ محض اپنے ذوق وشوق کی تکمیل اور پھر اپنے اندر بھڑکنے والی آتشِ اضطراب کو فرو کرنے کی خاطر ندائیہ انداز اختیار فرمایا ہے۔ اِس کی مثال یوں سمجھئے، جیسے کوئی محبِّ مخلص اپنے محبوب کو دل کی اتھاہ گہرائیوں سے پکارتا ہے، چاہے وہ کتنا ہی دور ہو، یا یہ کہ جیسے بچّہ رو کر ماں کے سامنے فریاد کرتا ہے، یا اولاد مصیبت پڑنے پر اپنے وفات یافتہ والدین کو پکارتی ہے، یہ عمل زندگی میں بھی کیا جاتا ہے اور اُن کی وفات کے بعد بھی۔ یہ ایسے حقائق ہیں جنہیں ہم روزمرۃ کی زندگی میں مسلسل دیکھا کرتے ہیں۔ دوسرا اُمر یہ ہے کہ اگر اُن بزرگوں نے ایسے کلمات فرمائے بھی ہیں تو یہ اُن کا ذاتی ذوق ہے، اُن کی تعلیم نہیں اور نہ اُنہوں نے اِسے کوئی شرعی حیثیت دے کر کسی اور کو ایسا کرنے کا حکم دیا ہے۔ بایں ہمہ حضرت پیرانِ پیر شیخ عبدالقادرؒ جیلانی وہ فانی فی اللہ اور باقی باللہ شخصیت ہیں کہ آپؒ کی جملہ تالیفات وتصنیفات اور منظوم ومنثور کلام میں ایسے کلمات کا سرے سے وجود ہی نہیں ملتا۔ بلکہ آپؒ تو اپنے مالک ومولا کی بارگاہ میں یوں عرض گزار ہوتے ہیں

اللّٰھم کما صنت وجوھنا ان تسجد لغیرك فصن ایدینا ان تمتدّ بالسّؤال لغیرك یعنی اے اللہ! جیسے تُو نے ہمارے چہروں کو اپنے غیر کے آگے سجدہ کرنے سے بچایا ہے، ایسے ہی ہمارے ہاتھوں کو بچا کہ تیرے کسی غیر کے آگے سوال کے لیے دراز ہوں۔ (مجموعۂ وظائفِ چشتیہ ص 27 مطبوعہ گولڑہ شریف) کبھی اپنے مالک ومولائے حقیقی کی طرف والہانہ اور ملتجیانہ انداز میں یوں عرض پرداز ہوتے ہیں۔

ستّار توئی بپوش عیبم بہ کرم   کز خلق جہاں بلطف محتاج ترم
در ہر کہ نظر کنم بہ بینم ہنرے   جز عیب نہ بینم چو بخود می نگرم
گفتم زسر قیاس بے ہودہ بسے   کردم زگنہ آنچہ نکردہ است کسے
القصہ ندارم اندریں ورطۂ جہل   جز لطف و عنایتِ تو فریاد رسے
اے جملۂ بے کسانِ عالم را کس   یکجو کرمت تمام عالم را بس
من بے کسم و کسے ندارم جز تو   للہ! بفریادِ منِ بے کس، رس

قارئینِ کرام! حضرت پیرانِ پیرؒ جہاں ایک بلند پایہ عالمِ دین اور صوفی تھے، وہاں ایک نغز گو شاعر بھی تھے، آپؒ کے اشعار عربی ادب کا شاہکار ہیں۔ آپؒ نے کئی طویل قصائد کہے، اُن انعاماتِ الٰہیہ کا ازروئے تشکّر ومباہات ذکر فرمایا، جو آپ پر کیے گئے۔ اِن قصائد کے اُردو تراجم نظر سے گزرے، مگر مجھے پسند نہیں آئے، عبارت گنجلک اور غیر واضح تھی۔ اِس لئے اللہ تعالیٰ کا نام لے کر خود ہی ترجمہ کر دیا۔ بات کو واضح کرنے کے لیے معاون الفاظ لگانے پڑتے ہیں مگر اِس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ شعر کا

مفہوم اِس قدر پھیلا دیا جائے کہ متنِ شعر میں وہ سب کچھ موجود ہی نہ ہو۔ بہر حال اپنی طرف سے کوشش کی ہے کہ مناسب ترین اور خوبصورت پیرائے میں ترجمۂ اشعار کر سکوں۔ اگر میرے معترض گروہ میں سے کسی ذی علم فرد کو ترجمے میں وارد کسی لفظ یا ترکیب پر کوئی اعتراض ہو تو مَیں جواب دہی کے لیے حاضر ہوں۔ مگر مناسب یہی ہے کہ بہ سلسلۂ ترجمہ میری مذکورہ بالا گزارشات کو نظر میں رکھ کر اور حسد و بغض کی عینک اُتار کر یا پھر کم از کم انصاف پسندی کا چشمہ لگا کر پڑھا جائے۔ ان شاء اللہ ترجمہ پسند آئے گا۔

واضح رہے کہ اِن قصائد کے ناقل حضرت شیخؒ کے فرزند حضرت عبدالرّزاق علیہ الرّحمہ ہیں اور آپ ہی فتوح الغیب میں تحریر کردہ جملہ خطبات کے جامع بھی ہیں۔ لہٰذا اِن خطبات اور کلام کی ثقاہت شک و شبہ سے بالا ہے۔ آپ کے اِن اشعار کو مع ترجمہ یہاں نقل کرنے کا مقصد یہ بھی ہے کہ اِن کے پڑھنے کے بعد بہت سی غلط فہمیوں کا ازالہ ہو جائے مثلاً یہ کہ ہمارے ہاں غوث اور غوثِ اعظم کے الفاظ حضرت شیخؒ کے ساتھ مخصوص سمجھے جاتے ہیں، مگر حضرت شیخؒ نے اپنے بعض اشعار میں بعد والوں پر یہ واضح فرما دیا کہ میرا حقیقی داتا، غریب نواز اور غوثِ اعظم تو صرف میرا خالق و مالک ہے جس نے مجھے پیدا کیا، مَیں مستعین (مدد چاہنے والا) ہوں اور میرا خالق میرا مستعان (مدد چاہا ہوا) ہے۔ مَیں مستغیث (فریاد کرنے والا) ہوں اور میرا مالک مستغاث (فریادرس) ہے۔ اب یہ سارے مفاہیم ذہن میں رکھتے ہوئے آپ کے

درج ذیل اشعار کا ترجمہ مع متن ملاحظہ فرمائیے۔

بارگاہِ صمدیّت میں حضرت پیرانِ پیرؒ کا اظہارِ بندگی

التجا، استمداد اور استغاثہ

سالتك یا جبّار یا سامع النّدا
و یا حاکم احکم فی الذی قد تحیّرا

اے جبّار! اور میری فریادوں کے سُننے والے! مَیں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور اے حقیقی سلطان! اُس بندے کے معاملے میں فیصلہ فرما، جو ورطۂ حیرت میں پڑا ہوا ہے۔

فانت الذی ترجیٰ لدفع مضرّتی
وانت مغیث من دعاك من الورٰی

پس تیری ہی وہ ذات ہے، جس سے تکالیف رفع کرنے کی امید کی جا سکتی ہے اور مخلوق میں جس نے بھی تجھے پکارا تو اُس کا غوث (فریادرس) ہے۔

فانت المغیث و النّصیر علی العدا
وقولك حقٌ لا خلال و لا امترا

پس دشمنوں کے معاملے میں تو ہی میرا غوثِ اعظم (سب سے بڑا فریادرس) اور نصیرِ اکبر (سب سے بڑا مددگار) ہے اور تیرا قول حق ہے، جس میں

کسی قسم کا کوئی خلل اور شک نہیں۔

احب دعوۃ المظلوم یشکو مصیبۃ
کسیر الجناح لا نصیر لہٗ یری

اُس مظلوم کی پکار کو قبول فرما، جو مصیبت کی فریاد کر رہا ہے۔ ایسی حالت میں کہ وہ پر شکستہ ہے اور اُسکا کوئی ایسا مددگار نہیں، جس کی طرف وہ دیکھ سکے۔

فان لم یقع غَیث فما وجہ حیلتی
واین الفرار من عدوّ تجوّرا

اگر تیری غَیث (مدد) نہ پہنچے تو میری حیلہ جوئی کہاں مؤثر ہوسکتی ہے اور میں ظالم دشمن سے فرار میں کیسے کامیاب ہوسکتا ہوں۔

فیا عالم النجوٰی ویا سامع الندا
ویا مستغاث اھلکن من تجبّرا

پس اے سب بھیدوں کے جاننے اور پکاروں کو سماعت فرمانے والے! اور اے وہ کہ تیری ہی ذات لائقِ استغاثہ ہے، ظلم و جبر کرنے والوں کو ہلاک کر دے۔

فکلّ مصاب یستغاث بمثلہٖ
وانّی لا اشکو بغیرك ماجرٰی

پس ہر مصیبت زدہ اِسی طرح مدد کیا جاتا ہے اور مجھ پر جو گزری ہے،

تیرے غیر کے سامنے اُس کا شکوہ ہرگز نہیں کروں گا۔

فکیف یخیّب من بقلبہٖ قد دعا
وامرك فی القران یتلیٰ علی الورٰی

پس وہ شخص کیسے ناکام و نامراد ہوسکتا ہے، جس نے تجھے دل کی گہرائیوں سے تجھے پکارا، درآنحالیکہ تیرے فیصلے قرآن مجید میں مخلوق کے سامنے پڑھے جاتے ہیں۔

اِن ملتجیانہ اشعار کے بعد آپ کے وہ اشعار مع ترجمہ ملاحظہ فرمائیں، جن میں اپنے خالق و مالک کے بعض انعامات کا بہ طورِ خاص ذکر کیا گیا، اس قصیدے کا مطلع یہ ہے۔

دنوت من المحبوب اعلٰی المراتبِ
فاوھبنی بالقرب ازکی المواھبِ

مَیں مراتبِ اعلیٰ میں اپنے محبوب کے قریب ہوا، پس اُس نے مجھے قرب دے کر اپنی نفیس عنایات سے نواز دیا۔

وتوّجنی تاجًا علیٰ خلع الرّضا
باسنٰی ملابیس فنلت مآربِ

پس اس نے مجھے عزت کے تاج اور اپنی خلعتِ رضا سے آراستہ کیا،

مَیں نے اُن عمدہ ترین پوشاکوں کے سبب اپنے مقاصد کو پالیا۔

ونادمنی بغیر واسطۃٍ وقد
بدا الی جھر الا حجاب و حا جبٖ

اور اُس محبوب نے مجھے کسی واسطے کے بغیر اپنا ندیم (دوست) بنایا اور یوں مجھ پر تمام حجابوں اور حاجبوں (دربانوں) کا معاملہ کُھل گیا۔

انا خادم فی حضرۃٍ نبویّۃٍ
قریب لہ قُربًا کقوس حواجبٖ

مَیں بارگاہِ رسالت میں بوساطتِ خدمت اتنا قریب ہوا، جیسے ابرووٗں کی دو قوسیں ایک دوسرے کے قریب ہوتی ہیں۔

وما شرب العشّاق قدما و بعدنا
من الخان الّا بعض سؤر مشاربٖ

مجھ سے پہلے اور بعد کے عشاقِ ذات خوانِ کرم سے میری پن گھٹوں کے بچے کُھچے کے سوا کچھ نہ پی سکے۔

سلکت طریقًا لیس یسلکہ سالک
وکان حبیبی لی دلیلًا مصاحبٖ

مَیں ایسے راستے پر چلا کہ جس پر کوئی چلنے والا نہ چل سکا اور اس سفر میں میرا محبوب ہی میرا راہنما اور شریکِ سفر رہا۔

انا قطب اقطاب الوجود حقیقۃ
وجملتھم لی یتبعون مذاھبٖ

حقیقت میں اقطابِ وجود کا قطب میں ہوں اور وہ سب کے سب میرے راستوں کا اتباع کرنے والے ہیں۔

اذا اجتمعوا فی جامع العشق جئتھم
خطیبًا اعظھم من بلیغ عجائبٖ

جب درسگاہِ عشق میں وہ سب جمع ہو چکے تو مَیں اُن پر بحیثیتِ خطیب وارد ہوا اور اُنہیں عجیب و غریب اندازِ بلاغت میں خطاب کیا۔

وکلّھم بی یقتدون حقیقۃً
بعصری و بعدی ھکذا کلّ طالبٖ

اور اُن سب نے میری زمانۂ حیاتِ ظاہری میں میری اقتدا کی اور اِسی طرح میرے بعد بھی میری ہی راہوں پر چلیں گے۔

امامی رسول اللہ جدّی وقدوتی
وعاھدنی من کفّہٖ وھو طالبٖ

اللہ تعالٰی کے رسول محمدِ مصطفی ﷺ میرے امام، قائد اور میرے جدِّ امجد ہیں اور آپ نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر وعدہ فرمایا، ایسی حالت میں کہ آپ مجھے بے حد چاہ رہے تھے۔

اتانی مرارًا قبل عھدی وقال لی

انا جدّك افخر بی فخر ت بخاطب

اِس وعدہ لینے سے قبل بھی آپ کئی مرتبہ میرے پاس تشریف لائے اور مجھ سے فرمایا کہ میں تیرا جدِ امجد ہوں، تُو اس پر فخر کر، پس مَیں نے آپ کے ارشاد کے مطابق فخر کیا۔

ولی خیمة خضراء فی مشر ق لها
وفی مغر ب اطنا بها بتراکب

سبز رنگ کا میرا ایک خیمہ ہے، جس کی طنابیں مشرق ومغرب میں تہہ درتہہ کھنچی ہوئی ہیں۔

وتنصب فی حشر علینا تظلّلنا
رجالی و اصحا بی بها فی منا صب

میدانِ محشر میں وہ خیمہ لگایا جائے گا تا کہ میرے سمیت میرے مخلص متعلقین اُس کے سائے میں قرار پذیر ہوں۔

و دقت لی السّادات فی الا رض والهوٰی
طُبولا لعدّ ی کم لها الف ضارب

بڑے بڑے معززین نے زمین اور فضاؤں میں میرے ڈنکے بجائے اور بجانے والوں کی تعداد ہزاروں پر مشتمل ہے۔

وما قلت هذا القو ل فخرًا وانّما

اتی الا ذن حتّٰی تعر فو ن مر اتب

اور یہ سب کچھ میں نے محض فخر کی رَو میں بہہ کر نہیں کہہ دیا، بلکہ اسکے لیے میرے پاس اِذن آیا، تا کہ تم سب میرے مراتب سے آگاہ ہو سکو۔

حضرت پیرانِ پیرؒ کے بعض اقوال واشعار کے سلسلے میں کچھ تنگ نظر اور تنگ ذہن حضرات محض حسد وعناد کی بنا پر معترض نظر آتے ہیں کہ حضرت نے خودستائی اور فخر ومباہات سے کام لیا ہے، جو کہ ایک صُوفی کی شان کے منافی ہے، کیونکہ وہ تو انکسار وفروتنی کا پیکر ہوتا ہے۔ جبکہ یہاں معاملہ اس کے برعکس ہے۔ جواباً گزارش ہے کہ پیرانِ پیر بلکہ تمام اکابرِ اُمم پر انبیاء علیہم السلام کو فضیلتِ کلّی حاصل ہے۔ جس میں کسی مسلمان کو اختلاف نہیں یہ طبقہ عالی اللہ کی زمین پر افضل ومکرم ہونے کے باوجود، سب سے زیادہ عجز وانکسار کا نمائندہ ہے اور اِسی عالی قدر طبقہ کی تعلیمات اکابرِ اُمت کے لیے مشعلِ راہ ہیں لہٰذا کسی اعتبار سے انبیاء ورُسل میں فخر ومباہات کا عنصر نہیں ہونا چاہئے۔ مگر قرآن مجید اِس پر شاہد وناطق ہے کہ انبیاء میں سے بھی بعض نے اللہ تعالیٰ کے انعامات پر فخر کا اظہار فرمایا۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد وسلیمان علیہما السلام پر عطائے نعمتِ علم کا اعلان فرمایا کہ ولقد اتینا داوٗد و سلیمان علماً (ہم نے داؤد اور سلیمان کو علم دیا) تو اس پر دونوں اظہارِ تشکّر ومباہات کرتے ہوئے یوں گویا ہوئے وقالا الحمدُ لِلّٰهِ الّذی فضّلنا علیٰ کثیرٍ من عبادِهِ المؤمنین ۝ ترجمہ: داؤد اور سلیمان دونوں نے کہا کہ تمام تعریفیں اُس اللہ کی ہیں جس

نے (علم دے کر) اپنے مومن بندوں کی اکثریت پر ہمیں فضیلت دی۔ پھر جب سلیمان علیہ السلام کو اپنے والدِ گرامی حضرت داؤد علیہ السلام کی وراثتِ نبوی یعنی علم کی دولت ہاتھ آئی تو ارشاد ہوا وَوَرِثَ سلیمانُ داوٗدَ (اور سلیمان داؤد کا وارث ہُوا) اِس پر حضرتِ سلیمان علیہ السلام نے یوں اظہارِ فضل وتشکّر کیا۔ وقالَ یٰاَیُّھَا النَّاس عُلِّمنا منطِقَ الطیرِ وَ اُوتینا مِن کُلِّ شیءٍ اِن ھٰذا لَھُوَ الفضلُ المُبینُ ۝ اور کہا (سلیمان نے) اے لوگو! ہمیں پرندوں کی بولیوں کا علم دیا گیا اور ہمیں ہر نعمت سے نوازا گیا، یہ سب کچھ ہم پر (اللہ کا) واضح فضل وکرم ہے۔

محولہ بالا آیاتِ قرآنیہ سے جو چند نتائج سامنے آتے ہیں وہ یہ ہیں۔ اوّل یہ کہ اللہ تعالیٰ کے جملہ انعامات میں سے سب سے بڑا انعام علم ہے دوم یہ کہ علم یا کسی دوسرے انعامِ الٰہی پر اُس کے فضل کو سامنے رکھتے ہوئے دوسرں پر اپنا اظہارِ فضیلت کرنا جائز ہے۔ اگر یہ جائز نہ ہوتا اور یہ عمل بھی دائرۂ کبر میں آتا تو حضرتِ داؤد اور حضرتِ سلیمان علیہما السلام نعمتِ علم کی بنا پر اظہارِ فضیلت وفخر نہ فرماتے۔ سوم یہ کہ ولقد اٰتینا کے الفاظ بتا رہے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو جو انعامات بہ شمولِ علم اِن دو نبیوں پر فرمائے تھے اُن کی نسبت اِن کی طرف نہیں کی، بلکہ فرمایا کہ اِن دونوں کو ہم نے علم اور دُوسرے انعامات سے نوازا ہے۔ اور جب ہم کسی کو اپنے کسی انعام سے نوازیں تو وہ الحمدُ لِلّٰہِ الّذی فضّلنا علیٰ کثیرٍ من عبادہِ المؤمنین کا جملہ از روئے فخر ومباہات کہنے کا مجاز ہے۔ بقولِ مولٰنا حسرت موہانی۔

نگاہِ یار جسے آشنائے راز کرے
وہ اپنی خوبیِ قسمت پہ کیوں نہ ناز کرے

چہارم یہ کہ عُلِّمنا اور اُوتینا کے کلمات میں عجیب لُطف ہے کہ اظہارِ فضیلت کے ساتھ ساتھ انعامات واکرامات کی عطا کو مُعطیِ حقیقی کی طرف منسوب کرکے حضرت سلیمان علیہ السلام یہ درس دے رہے ہیں کہ مخلوق اور بندوں پر اللہ کے فضل وکرم کی وجہ سے فخر ومباہات کا اظہار جائز ہے مگر اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضر ہو کر تمام کمالات کو اُسی کی طرف منسوب کرنا ہی شانِ بندگی ہے (یہی دو باتیں ملفوظات وقصائدِ غوثیہ میں بدرجہ کمال نظر آتی ہیں)

پنجم یہ کہ سلیمان علیہ السلام، داؤد علیہ السلام کے وارث علم میں ہوئے اِس آیت میں وراثتِ علم کے علاوہ دنیوی مال ومتاع کی وراثت ہرگز مُراد نہیں چنانچہ اِسی آیت کے ضمن میں حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی تحریر فرماتے ہیں۔ ''آیت شریف وَوَرِثَ سلیمانُ داوٗدَ میں وراثت فی العلم و النّبوّۃ مُراد ہے۔ نہ وراثتِ مالِ متروکہ، کیونکہ داؤد علیہ السلام کے سلیمان علیہ السلام کے علاوہ اور بھی بیٹے تھے۔ پھر اس کے کیا معنی کہ اُن کے وارث صرف سلیمان علیہ السلام ہی ہوں اور دُوسرے نہ ہوں نیز باپ کے مرنے کے بعد بیٹے کا وارث ہونا اور ترکہ پدری کا مالک بننا ایک معمولی اور عام رواجی بات ہے اور یہ اِس قابل نہیں کہ خاص طور پر اِس کا ذکر قصصِ انبیاء علیہم السلام میں کیا جائے۔ آیت کا مطلب ہے کہ داؤد علیہ السلام کے بعد

علمِ پدری اور نبوت کا وارث سلیمان ہُوا" (تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو تصفیہ ما بین سُنّی و شیعہ ، مصنفہ حضرت پیر سیّد مہر علی شاہ گولڑوی ؒ ص43 سن طباعت مارچ1979ء)

حضرت گولڑویؒ کے اِس تبصرے نے واضح کر دیا کہ کسی با کمال اور جامع الصفات شخصیت کی وفات کے بعد اُس کی اولاد میں سے اگر کوئی اُس کا صحیح جانشین اور وارث کہلانے کا مستحق ہوسکتا ہے تو صرف وہ ہوگا جو اُس کے علم اور دوسرے کمالات کا وارث بن سکے۔ صرف مال ومتاع اور پراپرٹی کے وارث ہونے کے سبب وہ اُسکا اصلی جانشین نہیں کہلا سکتا اور نہ ہوسکتا ہے۔ اس لئے کہ پراپرٹی اور مال ومتاع کی وراثت ایک عام اور رواجی سی بات ہے صرف اس کا وارث بن جانے سے یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ اولاد میں سے علم کا وارث بن کر سامنے آنے والے بیٹے اور صرف پراپرٹی اور مال ودولت کے وارث ہوجانے والی اولاد برابر ہے۔ ایسا ہرگز نہیں بلکہ ایک باپ دادا کی اولاد ہوتے ہوئے بھی اُن میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے دُوسرے بیٹے اُن کے مال ودولتِ متروکہ کے وارث تو بنے مگر اُن کے علم اور اُنکی نبوت کے وارث نہ بن سکے۔ پھر مزید برآں یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اِس آیت میں داؤد علیہ السلام کے صرف اُس بیٹے کا نام لیکر ذکر کیا، جو اُن کے علم کا وارث بنا، صرف مال ودولت کا وارث بننے والے کسی بیٹے کا نہ نام لیا اور نہ ذکر فرمایا۔

یہی حال حضرت پیرانِ پیرؒ کا ہے کہ آپ کا ایک سگا بھائی بھی تھا جو باپ کے ترکہ میں چالیس دیناروں کا مالک تو بنا مگر حضرت پیرانِ پیر کو جو ذہن رسا اور جو علم وفہم اللہ نے عطا فرمایا، اُس کا وارث نہ بن سکا، کیونکہ مال ومتاع کی وراثت ایک مادی چیز ہے جسے تقسیم کیا جا سکتا ہے مگر فطرت کے عطا کردہ انعامات جو ماں کے پیٹ سے لیکر بچہ پیدا ہوتا ہے، وہ گاڈ گفٹیڈ (GOD GIFTED) کے ضمن میں آتے ہیں اُن کو تقسیم نہیں کیا جاسکتا۔

حضرتِ بیدلؒ نے اسی بات کو اِن الفاظ میں بیان فرمایا تھا ۔

رمز آشنائے معنیٰ ہر خیرہ سر نہ باشد
طبعِ سلیم فضل است ارثِ پدر نہ باشد

یعنی ہر عقل کا اندھا حقائق دان نہیں ہوسکتا۔ سلیم الطبعی محض اللہ کا کسی پر فضل ہوتا ہے۔ یہ باپ دادا کی مادی وراثت نہیں جسے برابر تقسیم کیا جاسکے۔

یہ تو وہ نتائج ماخوذہ تھے جو حضرت پیر مہر علی شاہؒ کے اقتباسِ تصنیف اور آیات قرآنیہ سے سامنے آئے اب پھر ہم اپنے موضوع کی طرف آتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے پر فضل وکرم فرماتے ہوئے اُسے علم یا کوئی اور نعمت عطا فرمائے تو اُس کو تشکّر وامتنان کے جذبے سے سرشار ہو کر فخر ومباہات کرنا جائز ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے قاصدِ شاہِ مصر کو جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا۔

اِجعلنی علیٰ خزآئنِ الارض اِنّی حفیظٌ علیمٌ ۝ ترجمہ مُجھے

اپنے ملک کے خزانوں کا انچارج ونگران بنادے کیونکہ میں (نیک نیت) حفاظت کرنے والا اور صاحبِ علم ہوں۔

یہاں حضرت یوسف علیہ السلام نے بطورِ خاص اپنے وصف وکمالِ علم کو ارکانِ مملکتِ مصر کے سامنے ظاہر کرتے ہوئے بیان کیا ہے۔

نیز سیّد المرسلین اور سیّد المتواضعین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اِسی طریقۂ محمودہ کے مطابق متعدد مقامات پر بطورِ تحدیثِ نعمت، فخر ومباہات فرماتے ہوئے اپنے اُوپر انعامات واکراماتِ خداوندی اور فضلِ ایزدی کا کُھل کر اظہار فرمایا۔

صحیح مسلم شریف میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپؐ نے فرمایا:

فضّلتُ علی الانبیاء بستّ اعطیتُ جوامع الکلم وَنُصرتُ بالرّعب واحلّت لی الغنائم و جُعلت لی الارض مسجدا وطھو را و اُرسلتُ اِلی الخلق کافۃً و خُتم بی النبیّون۔

ترجمہ: میں تمام انبیاء پر چھ وجہ سے فضیلت دیا گیا مجھے جامع باتیں عطا ہوئیں اور مخالفوں کے دل میں میرا رعب ڈالنے سے میری مدد کی گئی اور میرے لئے اموالِ غنیمت حلال ہوئے اور میرے لئے زمین پاک کرنے والی اور نماز کی جگہ قرار دی گئی اور میں اللہ کی تمام مخلوق کا رسول ہوا اور مجھ سے انبیاء ختم کئے گئے (سلسلۂ نبوت ختم کیا گیا)۔

اور علامہ علی قاری شرح شفاء میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں:

الحمدُ لِلّٰہِ الّذی فضّلني علیٰ جمیع النبیّین حتّی فی اسمی و صفتی۔

ترجمہ: سب خوبیاں اللہ عزوجل کو جس نے مجھے تمام انبیاء پر فضیلت دی، یہاں تک کہ میرے نام وصفت میں (بحوالہ رسالہ ختم النبوت از فاضلِ بریلوی مولانا احمد رضا خانؒ صفحہ 37)

اِن ہر دو فرمودات سیّد الانبیاء والسّادات علیہ الصلوٰۃ والتّسلیمات سے ایک طرف تو مسئلۂ ختمِ نبوت کی صراحت ووضاحت ہوگئی دُوسرے خود حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانِ حق ترجمان سے اپنی فضیلت وشرف کا اعلان بھی صادر ہوگیا جس سے ثابت ہوا کہ اللہ کے فضل وکرم کو تشکّر وتفضّل کے طور پر پیرایۂ مباہات میں بیان کرنا معیوب ومطعون نہیں بلکہ محبوب ومستحسن ہے۔

اگر کوئی معترض یہاں یہ کہے کہ ایک طرف تو خود فخرِ موجودات علیہ الصلوٰۃ والتّسلیمات کی ذاتِ بابرکات نے اپنے متعلق یہ ارشاد فرمایا کہ لا تُفَضِّلو نی عَلیٰ یُو نُس ابن متّٰی کہ مجھے حضرت یونس علیہ السلام پر فضیلت مت دو۔ دوسری طرف آپ خود اپنی چھ باتوں میں فضیلت تمام انبیاء علیہ السلام پر بیان فرمارہے ہیں تو یہ حدیث میں تعارض آگیا تو اِس کا جواب یہ ہے کہ علمائے کرام نے ان ہر دو احادیثِ شریفہ میں تطبیق یوں بیان فرمائی کہ لا تفضلو نی سے آنجناب کی مُراد ایسی فضیلت ہے جس سے کسی دُوسرے پیغمبر کی توہین کا پہلو نکلے۔ اگر دیگر انبیاء علیہم السلام کے مقامات ودرجات کا پاس واحترم برقرار رہے تو فضیلت ممنوع نہیں

ہے۔ کیونکہ درج ذیل آیات قرآنیہ سے انبیاء علیہ السلام کی ایک دوسرے پر فضیلت ثابت ہورہی ہے۔ نمبر 1۔ تلك الرّسُلُ فضّلنا بعضهم علىٰ بعضٍ منهم من كلّم اللّٰه ورَفَعَ بعضهم درجٰتٍ 2۔ ولَقَد فضلنا بعض النبيّن علىٰ بعضٍ و اتينَـا دوٗدَ زبُورًا۔ نکتہ: بحولہ بالا دوسری آیات کریمہ میں ایک تو بعض انبیاء کی بعض پر فضیلت کا مسئلہ ثابت ہوا، دُوسرے حضرت داؤد علیہ السلام کو زبور عطا ہونے کا۔ ظاہر ہے یہاں حضرت داؤد علیہ السلام کی فضیلت علم وحکمت ہی میں ہے لہٰذا جسے علم وحکمت سے نوازا گیا، اُسے فضیلت دی گئی اور اُسے اس فضیلت پر فخر کرنا بالکل بجا ہے جیسا کہ حضرت پیرانِ پیر کے قصائد وخطابات سے واضح ہے بلکہ حسبِ ذیل شعر تو اسی منشاءِ آیتِ قرآنی کی پوری عکاسی کرتا ہے۔

دَرَستُ العِلمَ حتّٰی صِرتُ قُطبًا
وَ نِلتُ السعدَ مِن مولَی المَوَالِي

معترضین پر اب یہ بات واضح ہوگئی ہوگی کہ انعاماتِ الٰہیہ کے حصول پر فخر کرنا اور اُن کو اپنے لئے دوسروں پر باعثِ فضیلت سمجھنا سنتِ انبیاء ہے جس کا قرآن مجید نے بہ طورِ خاص ذکر فرمایا یہی حال اُن برگزیدہ اور نابغہ روزگار انسانوں کا ہے جن پر اللہ نے اپنا خصوصی فضل فرماتے ہوئے اُنہیں بہ ظاہر اُن جیسے انسانوں پر فضیلت عطا فرمائی اور اِس کے ساتھ اُنہیں عطا کردہ فضیلت کے اعلان کا حق بھی دیا۔ جیسا کہ سیدنا سلیمان و داؤد " کے اظہار فضیلت کو اللہ تعالیٰ نے محولہ بالا آیت میں بیان فرمایا۔

آیت محولہ سے جہاں یہ ثابت ہورہا ہے کہ ایک نبی کی تمام اولاد اُس کے منصبِ نبوت اور اُس کے علم کی وارث نہیں بن سکتی بلکہ اولاد میں سے بھی اُس کے علمی کمالات کا وہی وارث بن سکتا ہے جسے اللہ تعالیٰ بنانا چاہے، وہاں یہ بات بھی ثابت ہو رہی ہے کہ اولیاء اللہ کی تمام اولاد کا اُن کی ولایت اور علم کا وارث ہونا ضروری نہیں بلکہ اُن میں سے اللہ تعالیٰ جسے اس عہدہ کے لئے منتخب فرماتا ہے وہ اس منصبِ جلیلہ پر فائز ہوسکتا ہے اِس میں مادی وراثت کی تقسیم کا قانون لاگو نہیں کیا جاسکتا۔

خلاصہ تحریر یہ کہ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ اُن لوگوں کی تعلیمات پر بھی یقین رکھیں اور عمل کریں جن سے ہم محبت وعقیدت کے بڑے بڑے دعوے کرتے ہیں۔ حضرت پیرانِ پیر تو وہ جگت شیخ ہیں کہ اُن کی تعلیمات اور دینی خدمات کے حوالے سے اُن لوگوں نے بھی اُن کی عظمتوں کو تسلیم کیا، جو اولیاء اللہ کے تصرّفات اور کرامات وغیرہ کو محض ایک ڈھونگ سمجھتے اور کہتے ہیں، اگر آج ہم اُن کے بندۂ بے دام کہلا کر اور توحید باری جیسے اہم ترین عقیدہ میں اُن کی تحریرات وخطبات پڑھ سن کر بھی اُن کا اتباع نہ کریں تو ہمیں اُن کے عقیدت مند کہلانے یا کہنے میں کم از کم کچھ شرم محسوس کرنا چاہئے یا پھر کُھل کر یہ کہہ دینا چاہئے کہ نعوذ باللہ حضرت پیرانِ پیرؒ کے جو عقائد، اُن کے خطبات، یا تحریرات میں ملتے ہیں وہ اہلِ سنت کے عقائد سے خارج ہیں یا وہ کسی اور مسلک کے نمائندے تھے، مگر ایسا کہنے کی کوئی جرأت نہیں کرسکتا اور اِس جرأت نہ کرسکنے میں بھی کئی منافع اور مصلحتیں مضمر ہیں، ورنہ جو ذہن رسولوں کی

تبلیغ وتعلیمات کی تکذیب کر سکتے ہیں اُن کے نزدیک اولیاء صالحین کے فرمودات کیا حیثیت رکھتے ہیں؟ بہر حال چوں کہ ہم بحمد اللہ اولیائے امّت کی عظمتوں اور اُن کی خدمات کو بہ جان ودل تسلیم کرنے اور اُن سے عقیدت رکھنے والے ہیں، اِس لیے عقیدت مندی کے ساتھ ساتھ ہم پر یہ فرض بھی عائد ہوتا ہے کہ ہم اُن کی پیش کردہ تعلیمات وعقائد عوام النّاس کو سمجھائیں تاکہ اُن کے ذہن میں شرک کا شائبہ تک نہ رہے۔

مَیں نے اپنے اِس طویل تحقیقی مقالے میں حضرت شیخؒ کے خطبات وتحریرات اور کلام سے سامنے آنے والے جن نظریات وعقائد کو مع حوالہ جات وترجمہ درج کیا ہے بالخصوص توحید کے سلسلے میں حضرت شیخؒ کے پیش کردہ عقائد کو سامنے رکھنے کے بعد ہر سلسلہ کے مشائخ ہر مدرسہ کے مفتی، خطیب، مدرّس، مدعیانِ علم، ملک کے لیڈروں اور ہر طبقے سے تعلق رکھنے والے انسان کو اپنے اپنے گریبان میں جھانک کر ایک مرتبہ دیکھنا چاہئے کہ حضرت پیرانِ پیرؒ کی نظروں میں ہم مسلمان کہلانے کے بھی مستحق ہیں یا نہیں حلال وحرام میں تمیز نہ کرنا ہماری بے نیازی سہی۔ کتمانِ حق ہمارا مشرب سہی، فتویٰ فروشی ہمارا مسلک سہی، مزارات ومشاہد کے ساتھ خلافِ قرآن وسنت عقیدتیں اور عقائد وابستہ کرنا اور پھر اپنی دُوکانیں چمکانے کے لئے عوام النّاس میں اُن کی تبلیغ کرنا یا کرانا ہمارا فرضِ سجادگی سہی، پیری مریدی ہمارا ذریعۂ آمدنی سہی، درس وتدریس ہماری معاشی ضرورت سہی، دورانِ خطاب خود ساختہ

عقیدتوں کے محلات تعمیر کرنا مصلحتِ وقت سہی، دولت مند اور بااثر مشائخِ کرام اور علمائے عظام کی ہاں میں ہاں ملانا، خوشامد کرنا اور اُن کے آگے پیچھے ہوتے رہنا اور اُن کو اپنی دنیوی ضروریات وحاجات میں نفع وضرر کا بے تاج بادشاہ، مالک ومختار اور اَن داتا سمجھے رکھنا، غربت کے ہاتھوں ہماری ایک مجبوری سہی، مگر ایسے مفاد پرست اور ذلّت پسند مجبور چاہے وہ کسی بھی طبقے، علاقے، زبان اور نسل ورنگ سے تعلق رکھتے ہوں، اِلّا ماشاء اللہ، حضرت پیرانِ پیرؒ کی محولہ بالا تعلیمات وعقائد کی کسوٹی کے مطابق تھرڈ کلاس کے ایسے نام نہاد مسلمان ہیں، جن کی طرف منسوب ہوتے وقت خود لفظِ ایمان کی گردن بھی مارے شرم کے جھک جاتی ہے۔

اے احکم الحاکمین! میری نیّت کا حال تیرے سامنے ہے، کسی انسان کے حق میں میری نیّت بُری نہیں، اِس کے باوجود اگر کوئی مجھ سے در پردہ یا کھل کر دشمنی کرتا ہے تو میں اِس کا انتقام تجھ پر چھوڑتا ہوں۔ اگر میں تیرے دین کے کسی حکم کے بارے میں غلط نظریے کا حامل ہوں تو مجھے اُس کا علم دے تاکہ میں رجوع کرسکوں اور اگر کوئی دوسرا غلطی پر ہے تو اُسے راہِ راست دکھا۔ مَیں اپنے اُوپر کی جانے والی تمام تحریری وتقریری زیادتیوں کا حساب تجھ پر چھوڑتا ہوں کیونکہ تو ہی سریعُ الحساب اور شدیدُ العقاب ہے اپنے سب حاسدین ودشمنان کا معاملہ تیرے سپرد کرتا ہوں، کیونکہ آج تک تو نے ہی ہر معاملے میں انصاف فرماتے ہوئے نظریۂ حق وعقائدِ صحیحہ سے دانستہ ٹکرانے والوں کو نشانِ عبرت بنایا ہے اور جو لوگ میرے ساتھ محض تیری رضا کے لئے

اخلاص ومحبت رکھتے ہیں، اُن کے لئے تیری بارگاہ میں ملتجی ہوں کہ اُنہیں ہر میدان میں کامیاب فرما۔ بالخصوص وہ لوگ جنہوں نے تیرے دین کی حفاظت کے حوالے سے میرا ساتھ نہ چھوڑا اور کھل کر میرے ساتھ ہمہ قسمی تعاون کیا۔

آخر میں اِن دعائیہ الفاظ کے ساتھ اجازت چاہتا ہوں۔ یا خیر النّاصرین! یا شافی الامراض! یا ربّ الارضِ والسّمٰوٰت! یا خالقَ الحبِّ والنّواۃ! یا قاضیَ الحاجات! یا کافیَ المھمّات! یا دافعَ البلیّات یا احلّ المشکلات! یا منزلَ البرکات! یا مجیبَ الدّعوات مجھ گناہگار اور روسیاہ بندے کی جملہ خطاؤں اور معاصی پر اپنا قلمِ عفو پھیر، مجھے صراطِ مستقیم دکھا، قرآن وسنّت کا سچا متبع کر اور اپنے مقبول ومحبوب بندے شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے ذوقِ توحید پرستی کے طفیل میرے اور میرے ماحول کے دل میں وہ عقائد راسخ فرما، جو تیرے عبدالقادر نے اپنے خطبات اور تحریرات اور اشعار میں بیان کئے اور میرا خاتمہ علی الایمان فرما۔ اے مالک! آج مجھے خالی ہاتھ نہ پھیر، گناہگار سہی مگر تیرے ایک پاک نہاد بندے عبدالقادر جیلانیؒ سے نسبی، ذہنی اور تعلیمی نسبت تو رکھتا ہوں الحقنی بالصّٰلحین یا رَبّ العالمین۔ اگرچہ تیرا یہ عبدِ عاجز نصیر۔۔۔۔

عاصی ہے ، بہ اعمالِ قلیل آیا ہے
مجرم ہے ، مگر بلا وکیل آیا ہے
مایوس نہ پھیر، بخش دے جرم اُس کے

در پر تیرے اِک عبدِ ذلیل آیا ہے

نوٹ: مقالہ ہٰذا کی اشاعتِ اوّل کے بعد ایک مولوی صاحب کی طرف سے اِس مقالہ کے کچھ مندرجات پر اعتراض کیا گیا جس کے تحقیقی جواب کے لئے مولفِ مقالہ ہٰذا نے قلم اُٹھایا اور وہ جواب ماہِ جنوری 2002ء کے مجلّہ طلوعِ مہر میں ''اپنی بات'' کے عنوان سے شائع ہوا۔ اب مقالہ ہٰذا کی اشاعتِ ثانی میں اُس جواب کو بھی بطورِ ضمیمہ مقالہ کے ساتھ شائع کیا جا رہا ہے، جو قارئین کے ذوقِ جستجو کے لئے سودمند ثابت ہوگا۔ ان شاء اللہ (ادارہ طلوعِ مہر)

صوفیاء اور علمائے ظاہر کا اندازِ تبلیغ، اِس کے مابین بنیادی فرق اور اِس کی وجوہات

گزشتہ ماہ حضرت سلطان ابوسعید ابوالخیرؒ کی چند رباعیات پر کچھ تبصرہ ہوا، جسے پڑھ کر باذوق اور باشعور طبقہ نے بہت سراہا اور مجھے تہنیت کے کئی خطوط بھی لکھے۔ مَیں اُن سب قارئین کا سپاس گزار ہوں کہ اُنہوں نے نہ صرف میری اس علمی وادبی کاوش کو پسند کیا، بلکہ خطوط کی ترسیل سے میری حوصلہ افزائی بھی فرمائی۔ حال ہی میں میرے کچھ مقالے مختلف موضوعات پر طبع ہوئے اُن کے بارے بھی بعض احباب نے خطوط لکھے اور فون پر بھی بات کی، اُن میں تعریفی لہجہ بھی تھا اور کچھ تنقید بھی۔ مَیں تنقید سے نہیں گھبراتا، لیکن شرط یہ ہے کہ ٹھکانے کی تنقید ہو۔ تنقید برائے تنقید نہ ہو، بالخصوص

حضرت پیرانِ پیرؒ کے مواعظ اور توحیدِ باری تعالیٰ کے سلسلے میں آپ کے عقائد اور تشریحات کو موضوعِ بحث بنایا گیا، میں اپنے تمام قارئین پر یہ بات واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ میں نے جس مقالے میں جو کچھ بھی لکھا وہ محض اپنی ذاتی رائے یا نقطۂ نظر پر مبنی نہیں تھا، بلکہ قرآن وسنّت اور پھر اکابر کے مستند حوالہ جات کی روشنی میں لکھا۔ اس لئے اب جو مجھ پر انگشتِ تنقید اُٹھانے کا سوچتا ہے، اُسے یہ خیال بھی رہے کہ وہ اگر میرے پیش کردہ دلائل اور حوالوں سے اختلاف کر رہا ہے تو پھر اُس پر لازم ہے کہ وہ میرے پیش کردہ حوالوں اور اُن شخصیات پر براہِ راست اپنی طرف سے اظہارِ خیال کرے۔

افسوس اِس بات کا ہے کہ ایک مشہور عالمِ دین نے دورانِ خطاب حضرت پیرانِ پیرؒ پر تحریر کردہ میرے مقالے کی بعض عبارات کو نشانۂ تنقید بناتے ہوئے مجھے موردِ الزام ٹھہرایا، حالانکہ وہ عبارت میری نہیں بلکہ حضرت پیرانِ پیرؒ کے مواعظِ حسنہ کی تھی، جو عربی زبان میں ہیں اور مطبوعہ ہیں اور پھر ان کے تمام خطبات کے جامع آپ کے صاحبزادے حضرت عبدالرزاقؒ ہیں۔ میں نے جن عبارات کو مع ترجمہ وتبصرہ پیش کیا ہے، وہ آپ کے خطبات کے مشہورِ عالم مجموعۂ مواعظ فتوح الغیب سے ماخوذ ہیں۔ حضرت پیرانِ پیرؒ نے جس بے باکانہ اور طاقت ور لہجے میں تعلّق باللہ، انابت الی اللہ، توکّل علی اللہ اور پھر جس ابراہیمی بُت شکن انداز میں توحیدِ خالص کی پرتیں کھولیں، وہ انداز، وہ لہجہ، وہ بے باکی، وہ اخلاص، وہ صداقت، وہ یقین اور وہ منزلِ عرفان وایمان کسی ظاہر بین اور سطحی العلم مدّعیِ خام کے حصّے میں کیسے آسکتی ہے۔ اگر یہ بات پہلے کسی کو معلوم نہ تھی تو اب میرے اِس اعلام اور نشاندہی کے بعد اُس پر لازم ہے کہ وہ فتوح الغیب کے محولہ مقامات کا بچشمِ خود مطالعہ کرے اور پھر براہِ راست حضرت پیرانِ پیرؒ کے عقائد وخیالات پر کوئی فتویٰ صادر کرتے ہوئے یہ تحریر کرے کہ اُنہوں نے اپنے مواعظ میں جن عقائد کو ایک مسلمان کے لئے ضروری قرار دیا، کیا وہ قرآن وسنّت کی تعلیمات کے مطابق ہیں یا مخالف؟ کیا یہ بات شیخ عبدالقادر جیلانیؒ جیسے اکابرِ اُمّت کے لئے بھی لازم ہے کہ اُن کے عقائد بھی وہی ہوں، جو آج کے ایک پروفیشنل اور یشترون به ثمنًا قلیل' پر عمل پیرا مُلّا کے ہیں؛ جس کی اپنی عمر تو ممکن ہے بہت ہو، مگر اُس کا علم انتہائی قلیل العمر ہے۔ اولیائے کرام اور صوفیائے عظام کے ساتھ اُن کی تعلیمات وخدمات کے حوالے سے محبت رکھنے والے مجھ سے اتفاق کریں گے کہ ہمارے صوفیاء، انبیاء علیہم السلام کے بعد قیامت تک آنے والی انسانی نسل کے لئے نائبینِ انبیاء ہیں، جن کے ہر قول اور ہر عمل میں انبیاء مرسلین کی صداقت اور تبلیغ میں توحیدِ باری تعالیٰ کا رنگ غالب رہا ہے اور رہے گا۔

کیونکہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کا اہم اور اوّلین مقصد اثباتِ توحید اور ردِ شرک ہی تھا بلکہ یوں کہیئے کہ انبیائے کرام کا منصبِ نبوّت ورسالت پر فائز ہو کر آنا بھی یک گونہ شہادتِ توحیدِ باری تعالیٰ ہے۔ کیونکہ قرآنِ مجید میں سب سے بڑی شہادت یہی ہے۔ چنانچہ تیسرے پارے سورۂ آلِ عمران کی آیتِ مندرجہ ذیل کی تفسیر میں متعدد علماء ومفسّرین کی تحقیق دربارۂ شانِ نزول یہی ہے۔

جوہم بیان کرنے والے ہیں۔ تفسیر ابوالسعود، البحر المحیط، روح المعانی، روح البیان اور دیگر تفاسیر میں آیۂ کریمہ شھد اللّٰہُ اَنَّہٗ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ وَالملائکۃ واولو العِلم قائمًا بـالـقسط کی ایک شانِ نزول یہ بھی ہے کہ شام کے دو یہودی عالم (حبران) مدینہ منورہ آئے تو ایک نے دوسرے سے کہا، یہ شہر اُس نبی کے شہر سے بہت مشابہ ہے، جو آخر زمانہ میں ظاہر ہونے والا ہے، پھر اُنہوں نے رسول اللہ ﷺ کو اپنی کتاب (تورات) میں لکھے ہوئے اوصاف وعلامات سے پہچان لیا۔ اُن دونوں نے آپ ﷺ کو دیکھ کر کہا، کیا آپ محمد ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں۔ اُنہوں نے کہا، کیا آپ احمد ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں۔ اُنہوں نے کہا ہم آپ سے ایک شہادت کے متعلق سوال کرتے ہیں اگر آپ نے اُس کا صحیح جواب دے دیا تو ہم ایمان لے آئیں گے آپ ﷺ نے فرمایا: تم مجھ سے سوال کرو۔ اُنہوں نے کہا یہ بتلایئے کہ اللہ کی کتاب میں سب سے بڑی شہادت کون سی ہے؟ اُس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ اللہ نے گواہی دی کہ اُس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں اور فرشتوں نے اور علماء نے (الآیۃ) تو وہ دونوں مسلمان ہوگئے۔

روح المعانی کی عبارت ملاحظہ ہو (شھد اللّٰـہ انّـہٗ لآ الـہ اِلّاھو) قـال الکـلبی: لـما ظھر رسول اللّٰہ ﷺ بالمدینۃ قدم علیہ حبران من أحبارِ اھل الشّام فلـمّـا ابصـرا الـمدینۃ قـال احدھما لصاحبہٖ: ما اشبہ ھذہ المدینۃ بصفۃ مدینۃ النبی ﷺ الّذی یخرج فی آخر الزّمان فلمّا دخلا علی رسول

اللّٰہ ﷺ عرفاہ بـالـصفۃ والنعت فقالا لہٗ: أنت محمدٌ؟ قالَ: نعم قالا أنت احـمـد؟ قـال نـعم قالا: انّا نسئلک عن شھادۃٍ فان أنت أخبرتنا بھا آمنّا بک وصدّ قـنـاک فـقـال لھـمـا رسول اللّٰہ ﷺ سلانی فقالا لہٗ: أخبرنا عن اعظم شھادۃ فی کتاب اللّٰہ تعالیٰ؟ فانزل اللّٰہ تعالیٰ الآیۃ وَأسلما۔

روح البیان میں عبارت کچھ یوں ہے۔ (شھد اللّٰـہ انـہٗ) بـانّـہٗ (لا الـہ اِلّاھو) نزلت حین جائا رجلانِ من أحبار الشّام فقالا للنبیّ علیہ السّلام أنت محـمـد قـال نـعـم فقالا انت احمد قال انا محمد و احمد قالا أخبرنا عن اعظم الشّھادۃ فی کتاب اللّٰہ فا خبرھما.......الخ

معلوم ہوا کہ آخر الزّماں سیّد المرسلین حضرت محمد ﷺ کی زبانِ حق ترجمان سے بھی جو عظیم اور اعظم شہادت بالفاظِ قرآن بیان کرائی گئی وہ اثباتِ توحید اور ردِ شرک کی ہے۔

رسالت مآب علیہ السلام کے بعد چوں کہ اب سلسلۂ وحی قیامت تک کے لئے منقطع ہے، اِس لئے قرآن وسنّت کی علمی تربیت گاہوں میں پروان چڑھا ہوا یہی طبقۂ صوفیاء؛ انبیاء کے تعلیمی وتبلیغی خطوط پر اُمّتِ مسلمہ کو چلانے کا بیڑا اُٹھائے ہوئے ہے۔ میرے اِس دعوٰی کی دلیلِ محکم یہ ہے کہ صحابۂ کرام کے بعد آج تک اُمّت میں پیدا ہونے والے کسی بڑے سے بڑے صوفی کی کسی تصنیف، تحریر، اقوال یا مواعظ کا اگر مطالعہ کیا جائے تو اُن میں مجموعی طور پر جس چیز کو اہمیت دے کر اجاگر کیا گیا، وہ

توحیدِ باری کا موضوع تھا، جسے مختلف انداز میں بیان کیا گیا اور اِسے اپنا منشورِ تبلیغ بنا کر عمر بھر مخلوق کو شرک و بدعت سے بچانے اور تعلق مع اللہ پیدا کرنے پر زور دیا گیا۔ اِس کا یہ مطلب ہر گز نہیں کہ صوفیائے کرام نعوذ باللہ رسالت کی اہمیت کے قائل نہ تھے یا اِس طرف اُنہوں نے توجہ ہی نہ دی، ایسی بات ہم سوچ بھی نہیں سکتے۔ بلکہ یوں کہیں گے کہ صوفیاء نے انبیائے کرام کی نیابت کا حق ادا کرتے ہوئے وہی اندازِ تعلیم اور طریقۂ تبلیغ اختیار کیا، جو انبیاء کا محبوب و مرغوب طریقہ تھا، چونکہ رسولوں نے اپنی رسالتوں پر ایمان لانے کو مقصود بالذات نہیں سمجھا، بلکہ رسالت پر ایمان کو اس لئے لازم اور جزوِ ایمان قرار دیا کہ جب اُن کو اللہ تعالیٰ کا نمائندہ برحق تسلیم کر لیا جائے گا اور اُن پر اُن کی رسالت کے اعتبار سے ایمان لایا جائے گا تو پھر وہ جو بھی احکامِ خداوندی بتائیں گے یا توحید کے بارے جو بھی درس دیں گے، اُسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھ کر قبول کر لیا جائے گا اور کوئی شخص کسی رسول پر ہی ایمان نہیں لاتا تو وہ اُس کے لائے ہوئے دین یا شریعت کو کیسے تسلیم کریگا۔

مشرکینِ مکّہ کے کفر کا سبب شرک کرنے کے علاوہ انکارِ رسالت اِسی لئے قرار دیا گیا کہ وہ اپنے اپنے طریقوں اور آبائی عقائد کے تحت تو اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کو تسلیم کرتے تھے، مگر اُن کا یہ تسلیم کرنا اِس لئے غلط تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے عظیم نمائندے اور رسول کو؛ جو احکامات، عقائد اور جو اوامر و نواہی دے کر بھیجا تھا، وہ اُسے خاندانی تعصبات کی بنا پر تسلیم کرنے کے حق میں نہ تھے۔ اِس لئے اُن کا

عقیدۂ توحید اندازِ عبادت اور طوافِ بیت اللہ بھی بے معنٰی تھا، اِسی لئے ارشاد ہوا واذا قیل لھم اتبعوا ما انزل اللہ قالوا بل نتبع ما الفینا علیہ آبائنا کہ جب اُن سے کہا جاتا کہ تم اُن احکامات کا اتباع کرو، جو اللہ نے نازل کئے ہیں تو وہ اِس کے جواب میں کہتے، ہم تو اپنے آباء واجداد کے اُن عقائد کو نہیں چھوڑ سکتے، جن کے ساتھ ہمارے آباء واجداد ساری عمر چمٹے رہے۔ ہم رسولوں کی بات کیوں مانیں۔ اِس آیت میں قیل کے الفاظ سے یہ بات واضح طور پر سمجھ آ رہی ہے کہ اُن کو یہ باتیں کہنے والے انبیاء علیہم السلام ہی تھے۔ یعنی ما انزل اللہ پر ایمان لانا مقصود بالذات ٹھہرا، لیکن اس کے ساتھ ایمان بالرسالت بھی اِس لئے جزوِ ایمان قرار دیا کہ اللہ تعالیٰ کے رسول کا جھٹلانا بھی اُسی طرح کفر ہے، جس طرح اُس کے لائے ہوئے دین کی تکذیب کفر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جملہ انبیاء علیہم السلام اپنی رسالت کو اس لئے منوانے پر زور دیتے رہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول اور فرستادہ ہیں، نہ یہ کہ وہ اپنی خواہشِ نفس اور اپنی ذات کو تسلیم کرانے کے درپے رہے۔ دراصل اُن کے اپنے منوانے کے ضمن میں اُن کا احکامات اور پیغامات کا منوانا مضمر تھا، جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُن پر نازل ہوئے تھے لہٰذا انبیاء کی ذواتِ مقدسہ خواہشِ نفس اور ذاتی اغراض سے پاک تھیں، اس لئے انبیاء و مرسلین کو تسلیم کرنا اور اُن کی عزت و توقیر کرنا دراصل اللہ تعالیٰ کی کبریائی، اُس کی ذات وصفات اور اُس کے احکامات کو تسلیم کرنا ٹھہرا۔ کیونکہ اِن کی ذواتِ مقدسہ عبد و معبود کے مابین رابطہ کا ذریعہ ہیں، مگر اِن کی اِن تمام عظمتوں اور اہمیتوں کے

باوجود اصل الاصول تعلق باللہ اور وصول الی اللہ ہے۔

صوفیاء چونکہ اِس نزاکت کو سمجھتے تھے اس لئے اُنہوں نے انبیاء و مرسلین کے مقاصدِ بعثت اور مساعیِ تبلیغ کو اپنی زندگیوں کا نصب العین بنایا اور سب سے زیادہ ردِ شرک اور اثباتِ توحید پر زور دیا۔ یہی وجہ ہے کہ صوفیائے کرام کی نظم و نثر میں توحیدِ باری تعالیٰ کا غلبہ نظر آتا ہے۔ اگر طوالت کا خوف نہ ہوتا تو یہاں ہم صوفیائے سلف کی عبارات، مواعظ، ملفوظات اور اشعار کو بطور مثال پیش کرتے، یہ وہ مقام ہے جہاں پر صوفیائے کرام اور علمائے ظواہر دو حصوں میں تقسیم ہوتے نظر آتے ہیں۔ پھر علماء بھی کئی فرقوں اور کئی مکاتبِ فکر میں تقسیم ہو کر رہ گئے۔ کچھ علماء نے اثباتِ توحید پر اِس انداز سے زور دیا کہ رسالت کالعدم ہو کر رہ گئی اور اللہ تعالیٰ نے اپنے عبادِ صالحین کو اُن کے اعمالِ صالحہ اور اتباعِ احکام کے صلے میں جو مقاماتِ بلند عطا فرمائے اور ایک دائرے کے اندر رہتے ہوئے جن کی عزت و توقیر کا خیال رکھنا ضروری تھا، علمائے ظواہر نے اپنے غلوِ طبع کے تحت اِسے شخصیت پرستی کا نام دے کر اُن کو اصنام کے زُمرے میں شمار کرتے ہوئے اُن کی تذلیل و توہین شروع کر دی، حالانکہ اِن سے بڑے موحدین یعنی انبیاء علیہم السلام کا یہ طریقہ نہ تھا۔ اِسی طرح دوسرے طبقہ کے علماء نے اُن کے جواب میں انبیاء و مرسلین اور عبادِ صالحین کی تعریف و توصیف اور اُن کی عزت و توقیر میں اس قدر غلو سے کام لیا کہ اُن کو ذاتِ باری تعالیٰ کے مقابل لا کھڑا کیا اور مجالس کے علاوہ منبر و محراب میں بھی صرف اُن کی تعریف و توصیف اور اُن کے ذکر کو

ذریعۂ نجات اور اپنی مقبولیت و شہرت کے لئے وسیلہ سمجھا اور موضوعِ توحید کو ہاتھ تک نہ لگایا۔

غرض علماء کے یہ دونوں طبقے افراط و تفریط کا شکار ہو کر رہ گئے۔ اِس کھینچا تانی اور افراط و تفریط کا نتیجہ یہ نکلا کہ اُمت دو دھڑوں میں تقسیم ہو گئی۔ ایک دوسرے پر کفر و شرک کے فتوے داغنے کا سلسلہ چل نکلا، قتل و غارت اور نفرت و تعصب کی فضا قائم ہو گئی۔ ہر طبقہ کے علماء نے اپنے دھڑے کے لوگوں کو اپنے اپنے دلائل کے ذریعے اپنے اپنے دام میں پھنسانا شروع کر دیا، کچھ صرف توحید کے ٹھیکدار بن بیٹھے اور کچھ صرف رسالت کے۔ اِلا ماشاء اللہ دونوں میں خلوص نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ اُدھر توحید تھی، مگر توحیدِ خشک، اِدھر رسالت تھی مگر صرف زبانی اور ذاتی مفادات کے حصول کی حد تک۔ صرف اولیائے کرام اور صوفیائے عظام کا ایک ایسا طبقہ سامنے آیا کہ جن کی تعلیمات قرآن و سنت پر مبنی تھیں اور جو جملہ مسالک و مشارب کی قید سے بے نیاز اور آزاد تھیں۔ یہ طبقہ مولوی یا علامہ کے منصب پر بھی یقیناً فائز تھا، کیونکہ علم کے بغیر توحید و رسالت اور دینی عقائد و احکام پر گفتگو ناممکن امر ہے۔ مگر اِنہوں نے علمِ ظاہری کے حصول کے بعد خود کو تزکیۂ نفس اور احتسابِ ذات کی بھٹی میں ایک عمر تک ڈالے رکھا اور جب یہ اِس بھٹی سے نکلے تو کندن بن کر نکلے۔ الفاظ کی طرح اِن کو معانی کا چہرہ نظر آنے لگا، اِن کے معلومات، محسوسات اور پھر مکشوفات میں تبدیل ہونے لگ گئے۔ قطرے میں سمندر اور ذرّے میں آفتاب دکھائی دینے لگا۔ زبان سے بات نکالتے

تو محسوس ہوتا کہ خود خالق اُن کے لہجے میں بول رہا ہے، جو لفظ منہ سے نکالتے تو وہ سامع کے دل میں تیر بن کر اُتر جاتا۔ عبد ہوتے ہوئے اُن کا اپنے معبود سے گہرا رابطہ ہوتا کہ اُن کا وجود خود پکار اُٹھتا۔

دلِ ہر قطرہ ہے سازِ انا البحر
ہم اُس کے ہیں ہمارا پوچھنا کیا

اگر بحالتِ کفر کسی کافر کی نظر اُن کے چہرے پر پڑ جاتی تو بحالتِ ایمان واپس لوٹتی، اُن کی ایک لمحہ کی صحبت علمائے ظواہر کی ہزار سالہ بے کیف و بے نتیجہ معیّت پر بھاری ہوتی۔ وہ بسم اللہ پڑھ کر بے تکلف پانی پر چلنا شروع کر دیتے اور الفاظ کا آڑھتی ملاّ پورا قرآن ختم کرنے کے باوجود اُن کی تقلید میں اگر پانی پر چلنے کی غلطی کرتا تو ڈوب کر رہ جاتا۔ اُن کے دو میٹھے بول کفار و ملحدین کو داخلِ حلقۂ اسلام کر لیتے اور محض فتوےٰ داغنے والے ملاّؤں کا اندازِ تبلیغ اور علمِ خام، مسلمانوں کی رہی سہی مسلمانی پر بھی پانی پھیر کر رکھ دیتا۔ علماء اور صوفیاء میں فرق کی یہ چند مثالیں ہیں، ابھی تو اِن کے مابین اور بہت سی باتوں میں فرق ہے، مگر ہم یہاں اپنے قارئین کو صرف سمجھانے کے لئے چند باتوں کے ذکر ہی پر اکتفا کرتے ہیں۔

صوفیاء کی توحید رسولوں کی توحید ہے، انبیاء و مرسلین کی جو شانِ رسالت و نبوّت وہ بیان کرتے ہیں، وہ معلوم سے زیادہ محسوس کر کے بیان کرتے ہیں۔ حضرت پیرانِ پیرؒ چونکہ جملہ سلاسلِ ولایت کے سرتاج ہیں، اِس لئے بالخصوص توحید کے موضوع پر اُن کے مواعظ بھی جملہ تعلیماتِ اولیاء کے سرتاج ہیں۔ لہٰذا اگر آج کے کسی سطحی العلم اور خام ذہن ملاّ کو حضرت غوثِ پاکؒ کے مواعظ میں بیان کردہ کوئی مفہوم ہضم نہیں ہوتا یا کانٹا بن کر کھٹکتا ہے تو یہ اُس کی اپنی علمی کم مائیگی کا نتیجہ ہے۔ کجا رام رام اور کجا ٹیں ٹیں۔ ایسے دھڑے بند اور فرقوں میں بٹے ہوئے ملاّؤں کے اگر بس میں ہوتا تو وہ قرآنِ مجید سے وہ تمام آیات نکال دیتے، جن میں اللہ تعالیٰ نے ردِ شرک کیا اور اپنی توحید کے سنہری اصول بیان فرمائے۔ مگر غوثِ پاکؒ کے مواعظ پر انگشتِ تنقید اُٹھانے والے کسی عاقبت نا اندیش ملاّ کی یہ مجال کہاں کہ وہ قرآنِ مجید سے توحید کے مطالب پر مشتمل آیات کو نکال سکے، یا ایسا کوئی جملہ بھی اپنی زبان پر لا سکے۔ لہٰذا یہ بات بالکل درست اور سو فیصد درست ہے کہ آج مسلمان کا ذہن قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کا سا عالی ذہن نہیں رہا۔ بلکہ یہ بات کھلے لفظوں میں کہی جا سکتی ہے کہ آج ہر طبقہ کے مسلمان اِلّا ماشاء اللہ شرکِ خفی کا شکار ہیں۔ یعنی اُن کے ایسے عقائد اور ایسے اعمال و اقوال ہیں کہ حضرت پیرانِ پیرؒ، حضرت علی ہجویریؒ اور دیگر اکابر صوفیاء کی تعلیمات کی روشنی میں جنہیں سراسر باطل قرار دیا جا سکتا ہے۔ افسوس ہے اولیائے کرام کے اُن نام لیواؤں پر کہ جو اُن کے ذاتی مسلک کے خلاف ذرا سی اُٹھنے والی آواز کو تو فوراً گستاخی و بے ادبیِ اولیاء سے تعبیر کرتے ہیں۔ مگر جب اُن کو، اُن اولیائے کرام کی اپنی تصانیف، مواعظ یا کلام سے کوئی بات بہ طورِ سند پیش کی جائے تو اُسے تسلیم کرنے میں ہزاروں حیلے اور حجتیں پیش کرتے ہیں۔ یہ نہایت ہی کمینگی اور انتہائی دناءتِ طبعی

ہے کہ ایک طرف اُن کی تعریف میں زمین وآسمان کے قلابے ملا دیے جائیں اور اُن کی شانیں رسولوں کی شانوں کے ساتھ ملائی جائیں، مگر جب اُن کی تعلیمات سے کوئی حوالہ پیش کر دیا جائے تو سانپ سونگھ جائے......ع تفو بر تو اے چرخ گرداں تفو

غنیۃ الطالبین کے صحتِ انتساب پر بہت سے علماء نے اعتراض کیا ہے، اور کچھ واعظین یہ کہتے ہیں کہ کتاب اور عبارت حضرت کی ہے ہی نہیں، اسی طرح غوثِ پاک کے خطبات کے مجموعے فتوح الغیب کے بارے میں بھی دبے لفظوں میں ایسی باتیں سامنے آئیں، جب کہ فتوح الغیب کے متعلق آج تک کسی محقق نے یہ تحقیق ظاہر نہیں کی البتہ غنیۃ الطالبین کے بارے میں چند علماء نے شک وشبہ کا اظہار کیا جن میں علامہ عبدالعزیز پرھاروی صاحب نبراس بھی ہیں، وہ حاشیہ نبراس علیٰ شرح العقائد صفحہ 475 پر رقم طراز ہیں: ولا یغرّنك و قوعهٗ فی غنیة الطالبین المنسوبة إلی الغوثِ الا عظم عبدالقادر جیلانی قدّس سرّهٗ العزیز فالنّسبة غیر صحیحة والاحادیث الموضوعة فیهاو افرة (النبراس للعلامه پر ھاروی صفحہ 475 مطبوعہ مکتبہ اکرمیہ قصہ خوانی بازار پشاور سنِ طباعت 1318ھ)

ترجمہ: اور (اے قاری!) تجھے اُس روایت (مندرجہ فی الکتب) کا غنیۃ الطالبین میں ہونا دھوکے میں نہ ڈال دے وہ غنیۃ الطالبین جو غوثِ اعظم عبدالقادر جیلانیؒ کی طرف نسبت کی گئی ہے، پس اُس کی غوثِ پاکؒ کی طرف نسبت صحیح نہیں اور اُس میں کثرت سے موضوع احادیث بھی ہیں۔

اِس پر مزید حاشیہ لکھتے ہوئے علامہ برخوردار ملتانیؒ رقم طراز ہیں: قولهٗ فالنسبة غیر صحیحة ویشهدلهٗ قول الشیخ عبدالحق الدهلوی فی عنوان ترجمة العینیة بالفارسیة "ہرگز ثابت نشدہ کہ ایں از تصنیفِ آنجناب است اگرچہ انتساب بآنحضرت شہرت وارد ونظر برایں کہ شاید دراں حرف از آں جناب بود ترجمہ کردم چنانچہ علامہ میبذی در دیباچۂ دیوان کہ نزد عوام منسوب بحضرت امیرالمؤمنین علیؓ است برہمیں اسلوب معذرت کردہ۔

ترجمہ: صاحب نبراس کا یہ قول کہ "اِس کی نسبت غوثِ پاکؒ کی طرف صحیح نہیں" اِس بات کی گواہی حضرت شاہ عبدالحق محدّث دہلویؒ کا یہ قول بھی دیتا ہے جو انہوں نے ترجمۃ العینیہ کے عنوان میں فرمایا جو فارسی میں ہے کہ "ہرگز یہ بات ثابت نہیں کہ یہ حضرت غوثِ پاکؒ کی تصنیف ہے اگرچہ اِس کا انتساب حضرت کی طرف شہرت رکھتا ہے اور میں نے اِس نظریئے کے تحت ترجمہ کر دیا ہے کہ شاید مکمل نہ سہی کچھ کلام اِس میں حضرت کا ہو (تو بھی سعادتِ ترجمہ حاصل ہو جائے) جیسا کہ علامہ میبذی نے اُس دیوان کی شرح کرتے ہوئے دیباچہ میں وضاحت ومعذرت کی ہے، جو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے اور عوام اِسے آپ کا کلام سمجھتے ہیں (تا کہ اگر کچھ کلام بھی اِس میں حضرت علیؓ کا ہو تو سعادتِ ترجمہ حاصل ہو جائے) علاوہ ازیں اور بھی علماء نے یہ اعتراض کیا ہے، لیکن میں کہتا ہوں کہ اِس کا جواب چند طرح سے ہے۔

اوّلاً: کسی تصنیف کی صحتِ انتساب کے ثبوت کے لئے ایک بہت بڑی دلیل 'تواتر' بھی ہوتا ہے، جو صدیوں سے اِس کتاب کے متعلق چلا آرہا ہے۔ بجز چند معدود اہلِ علم کے اکثر علمائے محققین نے اِسے حضرت پیرانِ پیرؒ کی تصنیفات میں شمار کیا ہے۔ چنانچہ خود علامہ برخوردار ملتانیؒ حاشیہ نبراس کے حاشیہ پر تحریر فرماتے ہیں: اقوالُ نسبة الغنية الی غوث الثقلين توجد فی کتب ابن حجر وغيرهٗ من الاکابر..... الخ۔ ترجمہ: میں کہتا ہوں کہ غنیۃ الطالبین کی نسبت غوثِ پاکؒ کی طرف علامہ ابن حجرؒ اور اِس جیسے دیگر اکابر کی کتب میں بھی پائی جاتی ہے۔

مولنا برخوردار ملتانیؒ کا یہ کہنا کہ ابنِ حجرؒ اور دیگر اکابر کی کتب میں غنیۃ کی نسبت غوثِ پاکؒ کی طرف موجود ہے، تو دیکھئے جن حضرات نے بہ شمولِ شیخ محقق دہلویؒ صحتِ انتساب میں کلام کیا ہے اُن کی نسبت علامہ ابنِ حجرؒ وغیرہ کہیں زیادہ مقدم فی الزماں اور حجت ہیں۔ جب اُن کے زمانے میں بھی اِس انتساب کو شہرت مل چکی تھی، بقولِ برخوردار ملتانیؒ تو پھر بعد والوں کا اعتراض کس درجہ میں ہوگا۔

ثانیاً: غنیۃ کی نسبت غوثِ پاکؒ کی طرف مشہور و معروف ہے، لیکن انتساب کو غلط یا مشکوک کہنے والوں نے آج تک اصل مصنف کا نام روشناس نہیں کرایا کہ غوثِ پاکؒ نے یہ کتاب تصنیف نہیں کی تو آخر کس شخصیت نے یہ کتاب لکھی جو ایسی تحقیقی کتاب لکھ کر خود پردۂ اخفاء میں چلی گئی۔ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اور علامہ عبدالعزیز پرہاروی جیسے اعاظم محققین نے بھی اصل مصنف کے چہرے سے پردہ نہیں اُٹھایا آخر اِس کی کیا وجہ ہے؟

ثالثاً: صحتِ انتساب میں کلام کرنے والوں کو شک ہے کہ یا تو یہ ساری کتاب غوثِ پاکؒ کی تصنیف نہیں، بلکہ آپؒ کی طرف منسوب ہے یا پھر اس میں کچھ عبارات الحاقی ہیں، جبکہ صحتِ انتساب کے قائلین کہتے ہیں کہ تواترِ زمانہ، شہرتِ عند العلماء کے سبب اِس کا آپؒ کی طرف انتساب یقینی ہے۔ اب یقین اور شک اکٹھے ہو گئے ہیں تو علماء اور کتب کی طرف رجوع کرنے سے یہ قاعدہ و قانون سامنے آتا ہے کہ اليقين لا يزول بالشك یعنی شک کے ساتھ یقین زائل نہیں ہوتا۔

بایں ہمہ اگر ہم تھوڑی دیر کے لئے تسلیم کرلیں کہ اِس کتاب میں کچھ الحاقی عبارات ہیں تو بھی اِس کتاب کی مکمل صحت و افادیت سے انکار بہت بڑی محرومی ہے جبکہ اِس میں حضرت پیرانِ پیرؒ نے جس قوتِ تحقیق اور زورِ استدلال کے ساتھ شرک و بدعات اور مذاہبِ باطلہ و فرقہ ہائے کاذبہ کا رد کیا ہے وہ مذہبِ حق اہلسنّت والجماعت کے لئے ایک بہت بڑا حوالہ اور بہت وقیع ذخیرۂ معلومات ہے۔

رابعاً: سلسلۂ چشتیہ کے مشہور شیخ حضرت مولنا فخر الدین فخرِ جہاں دہلویؒ کی علمی و تحقیقی حیثیت کو علمائے ظاہر کے علاوہ صوفیائے محققین نے بھی تسلیم کیا ہے۔ خصوصاً جب آپ نے کتاب فخر الحسن تصنیف فرمائی تو صوفیائے کرام اور علمائے عصر نے آپ کی تحقیق کے سامنے سرِ تسلیم خم کیا اور آپ کے علمی مقام اور وسعتِ مطالعہ کے دل و جان سے قائل ہوئے اُنہوں نے بھی غنیۃ الطالبین کو غوثِ پاکؒ ہی کی تصنیف کہا اور اِس کی

عدمِ صحتِ انتساب کے قائلین کو محققانہ جواب دیا اور ثابت کیا کہ یہ حضرت غوثِ پاک ؓ ہی کی تصنیف ہے اور اس میں مندرجہ عبارات آپ ؓ ہی کی تحریر کردہ ہیں۔ چنانچہ اس موضوع پر ملاحظہ ہو۔

(تاریخِ مشائخِ چشت، از پروفیسر خلیق احمد نظامی، صفحہ 478، مطبوعہ کراچی)

خامساً: اعتراض میں شیخِ محقق شاہ عبدالحق محدثِ دہلوی ؒ کا حوالہ ہمارے موقف کا مزید مؤید ہے کہ اگر غنیۃ الطالبین کی صحتِ انتساب میں ذرہ بھر بھی شک ہوا تو شیخِ محقق نے برملا اظہار کر دیا، جبکہ فتوح الغیب کی کسی عبارت پر آپ نے عدمِ اطمینان کا اظہار نہیں فرمایا اور نہ ہی اُسے عقائدِ اہلسنت سے متصادم قرار دیا، بلکہ آپ ؒ نے فارسی زبان میں اُس کی وقیع و ضخیم شرح لکھی جس کا نام شرح فتوح الغیب (فارسی) ہے۔ آپ کا فتوح الغیب کی شرح لکھ کر اُس کے مندرجات پر کوئی اعتراض نہ کرنا اور اُس کی کسی عبارت کو بھی الحاقی اور مشکوک قرار نہ دینا اس بات کی پختہ دلیل ہے کہ شیخِ محقق کے نزدیک یقیناً فتوح الغیب پیرانِ پیر ؓ ہی کی تصنیفِ لطیف ہے اور اسی میں مندرج خطبات و مواعظ کتاب و سنت کی تشریحات اور عقائدِ اہلسنت کے ترجمان ہیں۔

علاوہ ازیں دورِ قریب کی مقتدر علمی و روحانی شخصیات بھی فتوح الغیب کی حضرتِ غوثِ پاک ؓ سے عدمِ صحتِ انتساب پر یکسر خاموش رہیں، جن میں حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی ؒ اور حضرت مولنا احمد رضا خان بریلوی ؒ سرِ فہرست ہیں۔ اگر کوئی ایسا شک والا معاملہ ہوتا تو کم از کم اِن حضرات نے اتنے بڑے مغالطہ کی نشاندہی کیوں

نہ فرمائی، جب کہ بالخصوص اِن ہر دو حضرات کو حضرت پیرانِ پیر ؓ سے خصوصی عقیدت اور امتیازی ارادت تھی۔ فاضل بریلوی ؒ نے ردِّ وہابیت میں جو کارہائے نمایاں کئے وہ کسی سے مخفی نہیں، توحید اور اُس کے متعلقات پر جو مواد فتوح الغیب میں موجود ہے، دوسرے مکاتبِ فکر زیادہ تر اُنہی کے حوالے دیتے ہیں، اِس کے باوجود فاضل بریلوی ؒ نے یہ کہیں نہیں فرمایا کہ جس کتاب کے تم لوگ حوالے دیتے ہو، اُس کی حضرت پیرانِ پیر ؓ سے صحتِ انتساب فلاں فلاں دلائل کی بنا پر مشکوک ہے۔ فاضل بریلوی ؒ اور اُن جیسے دیگر علمائے ہندوستان کا اِس کی عدمِ صحتِ انتساب پر خاموش رہنا، اِس کی دلیل ہے کہ یہ حضرات اِس کتاب میں موجود مواعظ کو حضرت غوثِ پاک ؓ ہی کے ارشادات اور خطبات مانتے تھے ورنہ اِن میں سے اگر کوئی دلائل کے ساتھ اِن مواعظ کو مشکوک قرار دیتا تو اُسے کون روک سکتا تھا۔

یا پھر قادری سلسلے کے علماء سے بھرا ہوا پورا ہندوستان اِن شکوک کو تحریری طور پر کیوں رفع نہ کرتا۔ لہٰذا اگر کسی صاحب علم و تحقیق کو اپنی مطالعاتی وسعتوں پر اس قدر ناز ہے اور وہ خود کو غوثِ پاک ؓ سے منسوب فتوح الغیب یا اُس کی کسی عبارت کو عظیم محققینِ سلف کی تحقیقات کی روشنی میں غلط ثابت کرنے کا دعوٰی رکھتا ہے، تو بسم اللہ میدانِ تحقیق میں اُترے ہم اُس کے ایک ایک فقرے کا نہ صرف تحقیقی جواب دیں گے، بلکہ ان شاء اللہ غوثِ پاک ؓ کے مواعظ کے ایک ایک لفظ کو قرآن و سنت کی روشنی میں ثابت کر کے دکھائیں گے کہ آپ نے جو کچھ فرمایا وہ قرآن و سنت کے فلاں فلاں حکم کی صدائے بازگشت ہے۔ راقم الحروف نے بہت سمجھ سوچ کر ایک طویل قصیدہ پیرانِ پیر ؓ کے لئے کہا تھا، جس کے چند

اشعار ملاحظہ ہوں ۔

شاہِ بغداد سدا بول ہے بالا تیرا   کیوں نہ ہو، صاحبِ معراج ہے بابا تیرا
چُھپ گئے سامنے اس کے عُرفاء مثلِ نجوم   مطلعِ فقر پہ خورشید جو چمکا تیرا
کون سے سلسلہ کو تُو نے معطر نہ کیا   کون سے گلکدہ میں رُوپ نہ جھلکا تیرا
دیکھ کر سیدِ لولاک ؐ کا اندازِ جمال   انبیاء چُوم نہ لیں حشر میں ماتھا تیرا
جو کہا تُو نے وہ مامور مِن اللہ ہو کر   اپنی خواہش سے نہیں کوئی بھی دعویٰ تیرا
لرز اُٹھتے ہیں سلاسل کے سفینے سارے   قادری اوج پہ چڑھتا ہے جو دریا تیرا
تُو ہے اُمت کا وہ نوشاہ کہ اقطابِ جہاں   جھولیاں بھرنے کو گاتے ہیں بدھاوا تیرا
حیف صد حیف کہ کچھ پست نظر، پست اندیش   اس پہ کُڑھتے ہیں کہ اُونچا ہے ستارا تیرا
دستِ مشاطۂ فطرت نے سنوارا ہے تجھے   لاکھ سر مارے، بگاڑے گا کوئی کیا تیرا
تجھ کو کیا فکر، کوئی تیرا بنے یا نہ بنے   شاہِ بطحیٰؐ ترے ، اللہ تعالیٰ تیرا
رنگ والوں کے بھی رنگ اُڑ گئے تیرے آگے   ذاتِ بے رنگ نے وہ رنگ جمایا تیرا

افسوس ہے اُن بعض نام نہاد سُنّی علماء پر جو پیرانِ پیرؒ کے نام پر گیارھویں اُڑاتے ہیں، خطیر نذرانے اور رقوم وصول کرتے ہیں اور اسٹیجوں پر اُن کا نام بھکاریوں کی طرح لیتے ہیں، مگر جب اُن کی تصانیف اور مواعظ میں موجود اُن کے کسی ارشاد یا نقطۂ نظر کو بہ طورِ سند پیش کیا جائے تو وہ آیۂ لَوَّوا رؤوسهم و رأيتهم يصدّون وهم مستكبرون کا مصداق بن کر تکبر کرتے ہوئے اپنی گردن اٹکا لیتے ہیں۔

فاضل بریلویؒ نے اگرچہ غیروں کیلئے یہ شعر کہا تھا مگر میرے نزدیک آج کے بعض مفاد پرست اور منافقت شعار اپنے بھی اس کی زد میں بدرجۂ اتم آتے ہیں۔

ترا کھائیں تیرے غلاموں سے اُلجھیں
ہیں منکر عجب کھانے غرّانے والے

صوفیائے کرام کی دیگر خصوصیات کے علاوہ سب سے بڑی خصوصیت یہ رہی کہ اُنہوں نے کبھی دین فروشی نہیں کی، انبیاء علیہم السلام کی طرح تبلیغ پر اُجرت نہیں لی۔ محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے دور دراز کے سفر طے کیے، راستے کی سختیاں جھیلیں، خلقِ خُدا کے ناروا سلوک اور معاندین کی بے جواز تنقید کو نہایت خندہ پیشانی سے برداشت کیا، مسلمانوں میں تفرقہ اندازی کے بجائے اتحاد و وحدت کی فضاء قائم کی۔ جو لوگ اپنے اپنے نقطہ ہائے نظر قائم کر کے دھڑے بندیوں میں بٹ چکے تھے، اُن کو مابہ النزاع مسائل میں الجھنے سے روکا اور اُن مسائل کا حل قرآن وسنت کی روشنی میں اُنکے سامنے پیش کیا۔ ایسے مواقع پر اُنہوں نے اپنی خُداداد علمی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر ہزار ہا لاینحل مسائل کا نہ صرف حل نکالا، بلکہ وہ لہجہ اور محبت کی وہ میٹھی زبان استعمال کی کہ مسلمانوں کے مابین رونما اختلاف بڑی حد تک فرو ہو گیا۔ اس طرح اُنہوں نے ہمیشہ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَن کے ارشادِ باری تعالیٰ پر عمل پیرا ہو کر بڑے بڑے طواغیت کے تاریک سینوں میں نورِ ایمان و یقین بھر دیا۔ اگر بغداد میں یہ کام حضرت پیرانِ پیرؒ نے اپنے بے مثال علم و فضل اور دیگر فطری خوبیوں کی بدولت سرانجام دیا تو برِ صغیر میں حضرت خواجہ معین الدین اجمیریؒ اور بالخصوص حضرت نصیر الدین چراغ دھلویؒ تک اُن کے خلفائے

کرام نے نہایت خوبی اور مستعدی سے اُسے مکمّل کیا۔ اِسی طرح سلسلۂ نقشبندیہ اور سہروردیہ کے مشائخِ کبار نے اپنے اپنے ادوار میں نیابتِ انبیاء کے اِس عہدے پر بڑی فرض شناسی وکمالِ احتیاط، انتہائی دانائی اور بلا کی حکمتِ عملی سے مسلسل کام کیا۔ اگرچہ ان تمام ذی علم وفضل مشائخ کے زمانوں میں بڑے بڑے جید اور مقتدر علماء بھی اپنی اپنی مسندِ علم سجائے بیٹھے رہے، مگر جس رفتار سے مشائخ کی تعلیم وتدریس نے خلقِ خُدا کے قلوب کو منوّر فرمایا، وہ تیزی اور وہ اثر آفرینی علمائے ظاہر کے رنگِ تبلیغ اور اندازِ خطابت کے حصے میں نہ آسکی۔ کاملین صوفیاء کا درسِ نگاہ غالبؔ کے درج ذیل شعر کا مصداق ہے۔

دل سے تری نگاہ جگر تک اُتر گئی
دونوں کو اک ادا میں رضا مند کر گئی

یا حافظ شیرازیؒ کے بقول۔

تلقینِ درسِ اہلِ نظر یک اشارت است
کردم اشارتے و مکرّر نمی کنم

اور علمائے ظاہر کا طرزِ تعلیم اکبرؔ الٰہ آبادی کے اِس شعر کا مصداق رہا۔

فلسفی کو بحث کے اندر خُدا ملتا نہیں
ڈور کو سُلجھا رہا ہے اور سرا ملتا نہیں

خلاصۂ بحث یہ کہ صوفیائے کرام نے قرآن وسنّت کی روشنی میں جس طرح بنیادی عقائد کو حتمی صورت دی اور تمام مراتب کا حسبِ ضرورت لحاظ رکھا، اُس کا اہتمام ہمیں کہیں اور نظر نہیں آتا۔ بلکہ ہر مکتبۂ فکر افراط وتفریط ہی کا شکار نظر آتا ہے۔ صوفیاء

کے ناقدین شاید میری اِس ساری بحث کو جانب داری پر محمول کرتے ہوئے یہ کہہ دیں کہ مَیں چوں کہ خود ایک خانقاہ سے تعلّق رکھتا ہوں اور شاید یہ میری مجبوری تھی کہ صوفیائے کرام کی تعلیم اور اُن کے اندازِ تعلیم کو علمائے مدارس کی تعلیمی وتبلیغی روش پر ترجیح دے رہا ہوں، ایسی کوئی بات نہیں۔ بلکہ یہ ایک بے لاگ تبصرہ تھا، جو مَیں نے علماء وصوفیاء کی سیرتوں اور اُن کی تبلیغی مساعی کے مجموعی مطالعہ کے بعد ہدیۂ قارئین کیا۔ اِس کے باوجود میں یہ کہنے کے حق میں بھی نہیں کہ صوفیائے کرام خطا ونسیان سے پاک اور مبّرا ہیں اور اُن کا کسی علمی موضوع پر کوئی فیصلہ غلط ہو ہی نہیں سکتا۔ بُھول چوک فطرتِ انسانی کا خاصّہ ہے، بڑے بڑے انسان بھی اِس کی زد سے نہیں بچ سکے۔

صدورِ خطا ونسیان کے سلسلے میں حضرت گولڑویؒ کی صراحت اُن کی تصنیف تصفیہ مابین سُنّی وشیعہ زیرِ آیتِ تطہیر میں ص 54 پر قابلِ مطالعہ ہے۔ چوں کہ فقر وولایت کے لئے کوئی شخص انبیاء ومرسلین کی طرح مِن جانبِ اللہ نامزد نہیں ہوتا، اِس لئے صوفیاء میں بھی بُھول چُوک کا عنصر بدستور قائم رہتا ہے اور ایسا کیوں نہ ہو، اکابر صوفیاء کی اکثریّت اُئمۂ اربعہ کی مقلّد تھی۔ جب اُن کے اُئمۂ میں خطا ونسیان کا عنصر موجود تھا تو اُن کے مقلّدین کس طرح اس سے مبّرا قرار دیئے جا سکتے ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ امام ابوحنیفہؒ اور دیگر صاحبِ مذہب فقہاء کا سینکڑوں مسائل میں رجوع ثابت ہے اور رجوع اُسی وقت ہوتا ہے کہ جب انسان کسی مسئلہ میں غلطی کر چکا ہو اور اُسے یہ احساس از خود ہوگیا ہو یا کسی نے دلا دیا ہو، اِس لئے ہم یہ نہیں کہتے کہ علمائے مدارس ہی سے

خطا و نسیان معرضِ وجود میں آ سکتا ہے، صوفیاء سے نہیں، کہنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ اگر کسی صوفی کی تحریر میں کوئی مسئلۂ زیرِ بحث غلط قرار دیا جائے تو اُسے دلائلِ عقلیہ و نقلیہ سے غلط ثابت کیا جائے۔ اگر قائم کردہ دلائل وزنی ہوں گے تو اربابِ علم، صوفی کے فیصلہ کو غلط قرار دینے میں حق بجانب ہوں گے۔ مگر اس سے صوفیاء کی روح خوش ہوگی نہ کہ رنجیدہ۔ کیونکہ اُن کی بات کے مقابلے میں جو دلائل قائم کئے جا رہے ہیں، وہ قرآن و سنّت سے لائے گئے ہیں۔ صوفیاء کو اس قدر تنگ نظر بھی خیال نہیں کرنا چاہئے کہ وہ آج کے علمِ خام رکھنے والے ایک کم حوصلہ مُلاّ کی طرح اپنے کسی فیصلے کے خلاف کوئی قوی تر دلیل بھی سُن کر چراغ پا ہو جائیں گے۔ لہٰذا حضرت پیرانِ پیرؒ کے مواعظ میں توحیدِ باری تعالیٰ کے سلسلے میں جو کچھ بیان ہوا ہے، اگر آج کے کسی مدّعیِ علم کے نزدیک وہ غلط ہے تو اُس پر لازم ہے کہ وہ حضرت غوثِ پاکؒ کی اُن عبارات کا قرآن و سنّت کے ٹھوس دلائل کی مدد سے رَد لکھے، ورنہ صرف زبانی جمع خرچ سے کوئی فائدہ نہیں۔ زیادہ سے زیادہ ہم اِسے چاند کی طرف مُنہ کر کے تھوک دینے کی عادت ہی سے تعبیر کریں گے اور یہ کوئی نئی بات نہیں، بلکہ چاندنی راتوں میں اکثر ایسا ہوتا ہے۔

بقولِ عارفِ رومیؒ ۔

مہ فشاند نور و سگ عو عو کند
ہر کسے بر فطرتِ خود می تند

یا بقولِ راقم ۔

سکھائے کون کُتّے کو کسے بھونکے، کہاں بھونکے
یہ اُس کی اپنی مرضی ہے، جسے بھونکے، جہاں بھونکے

اللہ تعالیٰ سب کو حقائق تسلیم کرنے کی توفیق ارزانی فرمائے، بالخصوص اُن کو جو دینی علوم کا علم رکھنے کے مدّعی ہیں، کیونکہ حصولِ علم کا واحد مقصد حقائق تک رسائی حاصل کرنا ہے، اگر دل میں یہ جذبۂ صادق موجزن نہ ہو تو محض شیخ القرآن، شیخ الحدیث یا شیخِ طریقت کہلانے سے کوئی ایسا نتیجہ برآمد نہیں ہوتا، جسے ہم نجاتِ اُخروی اور خدا اور رسول کی خوشنودی کا سبب قرار دے سکیں۔ اسی لئے حضرت سعدیؔ شیرازیؒ نے اپنے ایک مصرعہ میں علم اور حصولِ علم کے مقاصد کو بیان فرماتے ہوئے کہا تھا..... ع

علمے کہ راہِ حق نہ نماید، جہالت است

اِن الفاظ کے ساتھ اجازت چاہتا ہوں۔ اللہ حافظ

نیاز مندِ بارگاہِ غوثیہ ، **فقیر نصیر الدّین نصیر** کان اللہ لہٗ

www.faiz-e-nisbat.weebly.com

www.faiz-e-nisbat.weebly.com

تصانیفِ نصیر

1:- نام و نسب (سیدنا غوث اعظم کے متعلق تاریخی حقائق اور سیادت کی قرآن و حدیث، فقہ و تصوف اور تاریخ کے حوالے سے مکمل تحقیق) مطبوعہ

2:- راہ و رسمِ منزل ہا (تصوف و عصری مسائل پر سیر حاصل بحث) مطبوعہ

3:- امام ابو حنیفہ اور ان کا طرزِ استدلال (امام اعظم ابو حنیفہؒ کے علمی مقام اور فقہی استدلال پر تحقیق) زیر طبع

4:- اعانت و استعانت کی شرعی حیثیت (استعانت و استمداد کے لیے دلائل کا مجموعہ) مطبوعہ

5:- لطمۃ الغیب علی ازالۃ الریب (حضور ﷺ کے علم غیب کے حق میں تحقیقی کتاب) مطبوعہ

6:- رنگِ نظام (آیاتِ قرآنی کی روشنی میں اردو رباعیات) مطبوعہ

7:- دیں ہمہ اوست (عربی، فارسی، اردو، پنجابی نعتیں) مطبوعہ

8:- فیضِ نسبت (عربی، فارسی، اردو، پنجابی مناقب) مطبوعہ

9:- آغوشِ حیرت (فارسی رباعیات) مطبوعہ

10:- پیمانِ شب (اردو غزلیات کا پہلا مجموعہ) مطبوعہ

11:- دستِ نظر (اردو غزلیات کا دوسرا مجموعہ) مطبوعہ

12:- عرشِ ناز (فارسی، اردو، پنجابی، سرائیکی اور پوربی زبانوں میں کلام) مطبوعہ